پیسے کی کہانی

پیسے کی کہانی

کوئی تیس ہزار سال پہلے انسان روئے زمین پر خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے۔ایک جگہ سے دوسری جگہ کوئی موسم کی وجہ سے نقل مکانی کرتا تو کوئی اجناس و جانور کی تلاش میں۔خانہ بدوش کا سامان ہی کیا ہو۔ایک آدھ جوڑا، کچھ اوزار اور کچھ برتن۔جب کسی اور قبیلے یا کنبے سے ملنا ہو تو اپنی کوئی چیز دے کر ان کی لے لی۔مثلاً گندم کے بدلے مچھلی یا اوڑھنی کے بدلے کوئی برتن۔زر/ نقدی/ پیسہ کا کوئی وجود نہیں تھا، کسی کے پاس کوئی پیسہ نہیں تھا۔چھوٹی سی ملکیت، محدود خواہشات سب کا ساجھا اور زندگی رواں دواں تھی۔مسابقت انسان کی گھٹی میں ہے۔تو اس بات پر فخر و غرور کیا جانے لگا کہ کس کے پاس کتنا کچھ ہے۔پیسہ ابھی بھی کسی کے پاس نہیں تھا مگر اجناس و مویشی کی تقسیم مساوی نہیں تھی۔کوئی کسی فن کا کاریگر تھا تو کوئی کسی کا۔اور یہاں سے ایک دوسرے کے مابین باقاعدہ لین دین کی شروعات ہوئی جسے ہم آج تک بارٹر سسٹم کے طور پر جانتے ہیں اور یہ دنیا میں کسی نہ کسی صورت آج تک قائم ہے۔تقریباً بیس ہزار سال اور آئس ایج (Ice Age) ایسے ہی گزر گئی۔

کوئی گیارہ ہزار سال پہلے انسانوں نے خانہ بدوشی کو چھوڑ کے اپنے مستقل ٹھکانوں پر رہنا شروع کیا۔جانوروں کا صرف شکار کرنے کی بجائے ان کو پالنا اور ان کی نسل کی پرورش کرنا شروع

کر دیا۔ سبزیاں اور اناج کاشت کرنے کی ریت اپنائی اب جب ایک جگہ سکون سے رہنا شروع کیا تو روزمرہ کے سامان میں بھی اضافہ شروع ہو گیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ آباد کاری کی ابتداء مشرق وسطی کے علاقے سے ہوئی جسے فرٹائل کریسنٹ (Fertile Crescent) کہا جاتا تھا۔ لوگ گاوں، قبیلوں، علاقوں، نسلوں اور زبانوں میں باقاعدہ بٹنا شروع ہوئے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تجارت و لین دین کی ابتداء ہوئی۔

دو ہزار سال اور گزر گئے اور بارٹر سسٹم مصر سے لے کر انڈیا تک اور مشرق وسطی سے لے کر اہل بابل تک مستحکم ہوتا چلا گیا۔ ہر وہ شے جس کی معاشرے میں کوئی نہ کوئی قدر ہو بارٹر کے طور پر لین دین میں استعمال ہونے لگی۔ گندم، جو، مکئی، گائے، بھینس، بکری، زعفران، مچھلی، چاول الغرض ہر شے جس کی ضرورت یا ڈیمانڈ ہو وہ بارٹر میں استعمال ہو سکتی تھی۔ کوئی لگ بھگ ہزار سال یوں گزر گئے اور قریباً دس ہزار سال پہلے لوگوں نے اشیاء کو گننا شروع کیا۔ ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بارٹر میں دی اور لی جانے والی اشیاء کافی مختلف ہوتی تھیں۔ مثلاً آپ کے پاس گائے ہے اور آپ کو زعفران چاہیے تو ایک کلو زعفران کے بدلے کوئی اپنی گائے کیوں دے گا۔ تو اب وہ چاہتا ہے کہ اسے اتنا زعفران، اتنا کپڑا، اتنی گندم وغیرہ ملے۔

لوگ عموماً جانوروں واجناس کی شکلیں مٹی سے بنا کر ایک مٹی کے لفافے میں رکھ لیتے۔ پھر اسی لفافے پر تصویریں بنانے کا عمل شروع ہوا۔ پھر لوگوں نے مٹی کے اجسام کے درمیان سوراخ کر کے انہیں دھاگے میں پرونا شروع کر دیا۔ اب آپ کے قبیلے کے سردار کے گلے میں لٹکا ہوا ہار اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ آپ کے پاس کتنے جانور، زمین اور اجناس ہے اور اس طرح سودے ہوتے تھے۔

بارٹر سسٹم جوں جوں پھیلتا گیا اس کی قبولیت اور پیچیدگیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔آپ نے اپنے بکرے کو دے کر کچھ برتن لینے ہیں مگر جس کے پاس برتن ہیں اسے بکرا نہیں چاہیے، وہ تو کپڑے چاہتا ہے۔اب آپ کو ایسا شخص ڈھونڈنا ہوگا جو بکرا لے کر کپڑے دے دے تاکہ آپ کپڑے دے کر برتن لے سکیں۔ پھر اس بات کی کیا ضمانت کہ آپ سب کو یہ چیزیں ایک ہی وقت میں چاہئیں۔ پھر گندم تو آرام سے مختلف اوزان میں بٹ سکتی ہے، بکرے کا کیا کریں گے۔اگر آدھا کاٹ دیا تو باقی ماندہ اپنی قدر کھو دے گا۔

دنیا چلتی رہی اور لوگوں کو مختلف میٹلز ملتے چلے گئے۔ کسی کے ہاتھ سونا لگا تو کسی کے ہاتھ چاندی یا تانبہ۔اگر آپ فرٹائل کریسینٹ کے میسوپوٹیما کے بادشاہ ایشونا کا چار ہزار سال پرانا قانون پڑھیں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ کسی آدمی کی ناک پر کاٹنے کا جرمانہ چاندی کا ایک مینا تھا(جو ایک پاونڈ چاندی کے برابر ہوتا ہے) اور کسی کو تھپڑ مارنے کا جرمانہ 12 شیکل(مینا کا چھٹا حصہ) ہوتا تھا۔مزدور کے ایک دن کی اجرت مینا کا ہزارواں حصہ تھا۔یعنی کسی نے اگر ناک پر کاٹ لیا تو تین سال کی محنت کی اجرت دینا پڑے گی۔اس سے پتہ لگتا ہے کہ اس زمانے میں سونے اور چاندی کس طرح روزمرہ زندگی میں استعمال ہوتے تھے۔

لگ بھگ اسی زمانے کے آس پاس حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زوجہ حضرت سارہؓ کی قبر کے لئے جگہ Machpelah میک پلا کی غار(آج کل کا الحرم ابراہیمی) چار سو شیکل میں خریدی تھی جو آج کے دور کے قریباً سوا کروڑ بنتے ہیں۔

میسوپوٹیما میں چاندی اور مصر میں تانبہ اور سونا بطور زر استعمال ہوتے تھے۔اب اگر ایک شخص کی روزانہ کی اجرت چاندی کے مینا کا ہزارواں حصہ ہے تو اسے ناپنے/ تولنے کے لئے اسی معیار کے میزان درکار ہونگے۔ایسے آلات و میزان عموماً عبادت گاہوں میں رکھے جاتے، لوگ جاتے اور اپنی اجرت کے بدلے سامان خوردنوش لے آتے۔

سونے چاندی کا حصول طاقتور کے لئے آسان اور غریب کے لئے مشکل تر ہوتا چلا گیا۔ کسی کے پاس اگر نہ تو سونا چاندی ہے اور نہ ہی کوئی جنس/ اشیاء جسے بارٹر کر سکے تو وہ عموما اگلی فصل آنے تک اشیاء ادھار پہ لے لیتا تھا اور یہاں سے مٹی کی صلیبوں پر I Owe You (میں تمہارا مقروض ہوں) لکھنے کا رواج چلا۔ اب اگر آپ نے کسی سے دس گندم کے تھیلے لئے ہیں تو آپ یہ مٹی کی تختی پر لکھ کر اسے دے دیں گے، فصل آنے پر آپ اسے واپس کر دیں گے۔ اب اگر اس شخص کو پہلے ہی ضرورت پڑ گئی تو وہ کسی اور شخص سے کچھ لے کر یہ تختی اس کے حوالے کر دے گا اور آپ اس شخص کو جس کے پاس یہ تختی ہو گی اسے فصل دینے کے پابند ہوں گے۔

اور اس طرح معاشرے میں مٹی کی تختیوں کا یہ رواج چل نکلا۔ لینے والے کی حاجت زیادہ ہوتی ہے۔ دینے والے کو اتنا فرق نہیں پڑتا اور یہیں سے سود کا عفریت چل نکلا۔

آپ نے دس بوری اناج لیا مگر آپ کو لوٹانا بارہ بوری پڑا۔ جب سرکار نے عام آدمیوں کو ایسے کماتے دیکھا تو وہ خود کیسے پیچھے رہ سکتی تھی تو اب سارا اناج عبادت گاہوں اور مندروں میں رکھ دیا جاتا اور اس کے بدلے کوئی تختی جاری کر دی جاتی۔ جو شخص بھی یہ تختی لے کر چلا جائے اسے کسی مقدار میں اناج مل جاتا۔ حکومت اناج رکھوانے والے اور خریدنے والے دونوں سے منافع لیتی۔ جیسے ہمارے آج کل کے کاغذی نوٹوں پر لکھا ہوتا ہے۔ حامل ہذا کو مطالبے پر ادا کرے گا، وغیرہ۔

1100 قبل مسیح میں چین نے پہلی مرتبہ تابنے کے سکے جانوروں اور اجناس کی شبیہہ پر بنائے۔ 600 قبل مسیح میں لائیڈیا (آج کل کے ترکی) کے بادشاہ الیوتس نے دنیا کو سکوں سے متعارف کروایا۔ ایک ہی ساخت، وزن اور قدر کے سکے بادشاہ وقت جاری کر دے گا تا کہ



عوام لین دین میں آسانی سے استعمال کر سکیں اور بوقت ضرورت کوئی بھی شخص انہیں دے کر سرکاری خزانے سے متبادل سونا اور چاندی لے سکے۔

اس وقت دنیا میں بلا مبالغہ سینکڑوں ریاستیں اور حکمران تھے اور ہر حکمران نے اپنا سکہ رائج الوقت نافذ کر دیا۔ لوگ ملکوں کے مابین تجارت کرنے کے قابل ہوئے سارے سکے یکساں وزن کے اور مالیت کے ساتھ تو نہ تو کوئی وزن کرنا پڑتا اور نہ ہی کوئی پریشانی۔

مشرق وسطی سے لے کر چین کے بلیک سی تک اور یورپ کے کلیسائوں سے لے کر لائیڈیا کے بازاروں تک دنیا سکوں پر آگئی۔ دنیا کا پہلا بازار جہاں آپ دکانوں سے اشیاء سکوں کے بدلے خرید سکیں ، بھی لائیڈ میں ہی بنا۔

سرکار جب سکے بناتی تو ان کی مالیت اصل سے کچھ کم رکھتی تاکہ منافع کما سکے۔ بحری بندرگاہوں کے ساتھ جگہ جگہ لوگوں نے سکوں کی لین دین کا کاروبار شروع کر دیا اور خوب منافع کمایا۔ آپ انہیں قبل مسیح کے منی چینجرز کہہ لیں ۔ دنیا کے پہلے بینکر کا نام پیشن تھا، یہ یونان میں غلام تھا مگر آہستہ آہستہ اس نے بینکنگ کی بنیاد رکھی، شہری حقوق حاصل کئے اور ایک کامیاب بینکر بنا۔ جب 370 قبل مسیح میں اس کی موت واقع ہوئی تو اس کے پاس 360،000 دینار یا ڈرماکس تھے۔ بینکنگ اس دور میں بھی منافع بخش تھا۔

پیسہ / زر کی ضمانت سکوں، چاقو اور طرح طرح کے ڈھلے ہوئے اجسام میں پائی جانے لگی۔ سونا، چاندی، تانبہ، الیکٹریم اور دوسری دھاتیں اس مقصد کے لئے استعمال ہونے لگیں۔ سات سو سال قبل مسیح سے چار سو سال قبل مسیح تک یہ فن چین ، ترکی مصر، مشرق وسطی، یورپ سے لے کر انڈیا تک پھیل گیا۔

دنیا میں سب سے پہلے سکوں کا وزن اور قدر میڈی ٹرینین بادشاہ فیڈون نے طے کیا۔

پہلے سکے جن پر کسی حکمران کی مہر ثبت تھی۔ ایجینا جزیرہ میں سات سو قبل مسیح میں بنے۔

547 قبل مسیح میں اہل فارس نے سکوں کو اپنایا۔ 483 قبل مسیح میں اہل یونان نے اپنی افواج کو سکوں میں اجرت دینا شروع کی ۔ یہ سکے چاندی کے بنے ہوئے تھے۔ لوگوں نے جوق در جوق فوج میں شمولیت اختیار کی اور اہل یونان کی سلطنت پھیلتی چلی گئی۔

413 قبل مسیح میں روم، اٹلی میں ایک دیوی کی پوجا ہوتی تھی، اسی کے نام سے مندر تھا۔ اس کا نام مونیٹا تھا۔ تاریخ دان اسی دیوی کی مناسبت سے منی(Money) اور منٹ (Mint) کے ناموں کی توجیہہ کرتے ہیں۔ زبان دان منی کو لاطینی زبان کے لفظ Moneta سے اخذ کرتے ہیں جس کا مطلب ہے "منفرد"۔

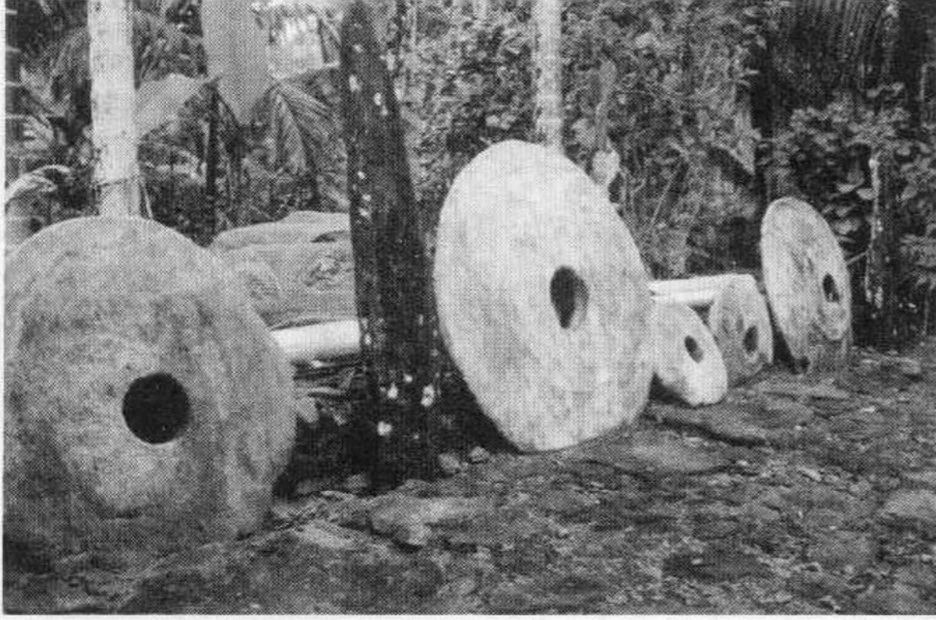
اہل فارس اور اہل یونان کی دیکھا دیکھی اہل روم نے بھی سکوں کا استعمال شروع کر دیا۔ یہ لوگ تانبے اور چاندی کے بنے سکے کا استعمال کرتے تھے اور رومن امپائر کے سینیٹرز(Senators) اپنے غلاموں کے ساتھ ہاتھ گاڑیوں میں اپنا خزانہ لادے پھرتے تھے۔ انہوں نے ہی یہاں عوام پر ٹیکس لاگو کیا اور اگلے دو سو سال تک پیسے کے خبط میں یکے بعد دیگرے دنیا فتح کرتے چلے گئے۔ 167 قبل مسیح میں جب میساڈونیا کو شکست ہوئی تو روم میں مال غنیمت کے طور پر 75 ملین دینارے (300 ٹن چاندی) آیا۔

اتنی زیادہ دولت نے روم کو اور طاقتور اور مضبوط بنا دیا۔ شہر بڑھتا چلا گیا اور لوگ سامان عیش و عشرت خریدتے چلے گئے۔ منفرد پرندے ہوں یا نت نئی خوشبوئیں ،انسانی غلام ہوں یا ایک سے بڑھ کر ایک گھوڑا اور فرنیچر، جنگی ساز و سامان ہوں یا چین و ہندوستان اور عرب سے درآمد کی گئی مصنوعات اور مصالحہ جات، روم خرچ کرتا چلا گیا۔ ایک رومن تاریخ دان پلینی لکھتا ہے کہ روم سالانہ 25 ملین دینارے سامان عیش و عشرت پہ خرچ کرتا تھا۔ جہاں روم میں پیسوں کا راج تھا وہاں چین میں 118 قبل مسیح میں ہرن کی کھال کے چمڑے پر، رنگین سرخیوں کے ساتھ دنیا کے پہلے کرنسی نوٹ نے جنم لیا۔

اس کے بعد حکومت کا ''ضمانتی''نوٹ مختلف شکلوں میں چلتا رہا، چمڑے پر درخت کی چھال پر جانوروں کی کھال اور ہڈیوں پر اور دھات کی پلیٹوں پر مگر دنیا ابھی تک سکوں، درہم و دینار پر ہی چل رہی تھی۔

روم سے درآمدات کی مد میں پیسہ باہر جاتا رہا۔ لوگ آتے رہے، لین دین اور کاروبار بڑھتا رہا فتوحات ہوتی رہیں اور مال غنیمت آتا رہا۔ مگر 117 سال قبل مسیح میں رومن امپائر پر فتوحات کا سلسلہ رک گیا۔ پیسوں کی قلت ہوئی تو سرکار نے اس کا حل یہ نکالا کہ سکوں میں صرف چاندی کی بجائے ٹن اور دوسری دھاتیں بھی ملانے لگی۔ دکاندار بھی چالاک تھے۔ انہوں نے اسی حساب سے نرخ بڑھا دیئے اور یوں اہل روم نے دنیا کو Inflation یا افراط زر سے متعارف کروایا۔ جو مرغی پانچ دینارے کی تھی وہ ایک سال میں بڑھ کے پندرہ اور اگلے سال 45 دینارے کی ہو گئی۔ جولیس سیزر کی فوج کا سپاہی جو 46 قبل مسیح میں 225 دینارے تنخواہ لیتا تھا وہ 200 صدی عیسوی تک 600 اور 235 صدی عیسوی میں 1800 دینارے لینے لگا۔

اسی اثناء میں ایک انوکھا کام ہوا۔ ویسٹرن پیسفک میں مائیکرونیشیا کے جزیرے یپ پر لوگوں نے 9 ہزار پاونڈ کے ایک بڑے سے گول پتھر کو زر کے ڈیپازٹ والٹ جیسا درجہ دے دیا۔ یہ قریبی پلائو جزیرے سے یہاں لایا گیا تھا اسے Stone of Rai رائی کا پتھر کہتے تھے۔



(تصویر 1: رائی کا پتھر جزیرہ یپ میں)

اب جزیرے کے لوگ سینہ بہ سینہ یاد رکھتے تھے کہ اس کا مالک کون ہے اور وہ مالک چھوٹے چھوٹے پتھروں کے عوض جو چاہے خرید وفروخت کر سکتا تھا۔ اور وہ چھوٹے پتھر بالکل کرنسی یاسکوں کی طرح لوگوں میں مقبول ہو گئے۔ سینہ بہ سینہ چلنے والے پبلک کھاتے (Public Ledger) میں سب کو پتہ ہوتا کہ اصل مالک آج کل کون ہے۔ کچھ سو سال بعد اس پتھر کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہوئے کشتی ڈوب گئی اور پتھر سمندر کی تہہ میں چلا گیا مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ یہ سلسلہ دو ہزار سال تک چل کر بیسویں صدی کے اواخر میں بند ہوا ہے۔

رائی کے پتھر کی اس کہانی میں ہمارے لئے سیکھنے کو بہت کچھ ہے جو ہمیں آگے جا کر بٹ کوائن اور بلاک چین کو سمجھنے میں مدد دے گا۔ یہ بڑا پتھر منفرد تھا اور اس جیسا دوسرا دستیاب نہیں تھا (Scarcity)۔ یہ پائیدار بھی تھا اور اس پر موسم، بارش، دھوپ کا کوئی خاطر خواہ اثر نہیں پڑتا تھا (Durable)۔ اس کی نقل بنانا بھی ناممکن تھی۔

رائی جس کے لفظی معنی بھی پتھر ہے، لائم سٹون سے بنتا تھا جو قریبی جزیرے پلائو میں سے نکالا جاتا تھا۔ اس بڑے پتھر کے درمیان ڈونٹ (Donut) کی طرح سوراخ اس لئے

رکھا جاتا کہ پھر اسے ڈنڈوں کی مدد سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکے۔ اب اتنا بڑا پتھر تو آرام سے منتقل ہو نہیں سکتا لہٰذا لوگوں نے ''رائی'' کے بدلے گندم، جو اور باقی اجناس کرنسی کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دی مثلاً رائی کا مالک اتنے کلو گندم و جو کی ٹریڈ کر سکتا ہے۔ ایک کرنسی کے عوض دوسری کرنسی اور اس طرح کرنسی ٹریڈنگ دنیا میں متعارف ہوئی۔

''رائی کے پتھر'' کو آپ کوئی مہنگا گھر سمجھ لیں۔ اب گھر تو منتقل ہونے سے رہا مگر اس کے مالک تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور آپ گھر گروی رکھوا کر بینک سے اس کے بدلے پیسے لیتے رہتے ہیں۔ ہے نا حیرت کی بات کہ ہماری آج کل کی بینکنگ میں بنیادی خیالات ہزاروں سال سے چلے آرہے ہیں۔ اسی طرح بارٹر سسٹم بھی آج تک کسی نہ کسی حالت میں جاری ہے لوگ آپس میں تحفے دیتے ہیں فصل اترنے پر اجناس شیئر کرتے ہیں اور ایران آج تک تیل کے بدلے باقی ملکوں سے باقی اشیاء لیتا ہے (انٹرنیشنل پابندیوں کی وجہ سے)۔

ڈیوڈ گرائیبر اپنی کتاب "قرض: پہلے 5000 سال" میں بحث کرتے ہیں کہ اس دور میں صرف بارٹر سسٹم نہیں تھا۔ بارٹر سسٹم تو وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں دو قبیلے یا کنبے آپس میں لین دین کرتے یا اجنبی ایک دوسرے سے معاملات کرتے۔ اپنے ہی قبیلے اور کنبے میں تو ایک دوسرے کو ادھار دے دیا جاتا، مدد کر دی جاتی اور اپنی ہی کمیونٹی میں لوگوں کا خیال رکھنا بارٹر کا متبادل تھا۔ بارٹر، ادھار، کرنسی کا استعمال وہاں ہوتا جہاں اعتماد (trust) کا فقدان ہو۔ ایک ہی کمیونٹی یا قبیلے میں تو خیال رکھنا (favor) وہ اعتماد (trust) تھا جس نے سوسائٹی کو آپس میں جوڑا ہوا تھا۔

یعنی اگر لوگ آپس میں کسی سسٹم پر متفق ہو جائیں تو وہ لین دین کے لئے ہر طرح سے موزوں ہے اور اس سے فرق نہیں پڑتا کہ اس سسٹم کے پیچھے کیا چیز ہے جو اسے قابل اعتبار بناتی ہے۔

اس نظریے کو یاد رکھیں ، یہ آپ کو آگے بلاک چین اور بٹ کوائن سمجھنے میں بڑی مدد کرے گا۔

ساتویں صدی عیسوی میں چین کے ژوان(Sichuan) صوبے میں ٹینگ ڈائی نیسٹی (618-907) Tang Dynasty نے دنیا کو پہلی کاغذی کرنسی سے متعارف کروایا۔ کچھ کاروباری گروپس نے مل کر ایک کاغذی کرنسی کا اجراء کیا جس کا نام تھا، ''جیائوژی'' دنیا بھر کے تاجر چائنا آتے اور اپنے سکے، سونا اور چاندی یہاں جمع کروا دیتے اس کے بدلے انہیں جیائوژی ملتے جس سے وہ باآسانی خریداری کر سکتے۔ اور واپس جاتے ہوئے جیائوژی واپس کر کے باقی ماندہ سکے وصول کر سکتے ہیں۔ آپ اسے ایک لوگوں کا بینک کہہ لیں جو ایک قصبے یا صوبے کی سطح پر کام کرتا تھا۔ ڈاکہ زنی، لوٹ مار اور چوری کے خوف سے آج تک بولٹن مارکیٹ، جوڑیا بازار اور چھوٹے بڑے شہروں میں یہ رواج قائم ہے آپ ایک سیٹھ کے پاس جا کر اس سے کچھ سامان لیتے ہیں مگر ساری رقم جمع کروا دیتے ہیں۔ اس کے بدلے آپ کو پرچیاں ملتی ہیں اور پھر آپ ان پرچیوں سے دن بھر باقی دکانوں سے خریداری کرتے رہتے ہیں۔

جیائو ژی کا استعمال بڑھتا چلا گیا۔ کچھ لوگوں نے ضرورت سے زیادہ جیائو ژی کا اجراء کر دیا، لوگ انہیں کیش نہ کرا سکے، فراڈ کا مقدمہ بنا اور آخر کار گورنمنٹ کو نظام کار سنبھالنا پڑا۔

آٹھویں صدی عیسوی میں ڈینش آئرلینڈ میں'' ناک کے ذریعے ادائیگی'' کا محاورہ عام ہوا۔(To Pay Through The Nose) جو شخص ڈینش حکومت کو ٹول ٹیکس نہ دیتا اس کی ناک کاٹ دی جاتی۔

سونگ ڈائی نیسٹی(960-1279) Song Dynasty نے سن 1024 صدی عیسوی میں دنیا کو پہلی حکومت سے منظور شدہ کاغذی کرنسی دی۔ استعمال پھیلتا چلا گیا اور صرف بارہویں صدی عیسوی میں 26 ملین سکوں کے عوض کرنسی ایشو کی گئی۔

یوان ڈائی نیسٹی(1360-1368) Yuan Dynasty نے "چائو" کے نام سے 1273ء میں نئی کاغذی کرنسی متعارف کروائی۔ سن 1277 تک چائنا میں کاغذی کرنسی کا استعمال سکوں یا درہم ودینار سے زیادہ ہو گیا۔

بارہویں صدی عیسوی میں یورپ میں کرنسی کا باقاعدہ اجراء ہوا۔1250ء میں فلورینس، اٹلی نے فلورین کے نام سے سونے کے سکوں کا اجراء کیا جو جلد ہی ملکی و غیر ملکی، تجارت میں استعمال ہونے لگے۔

1290ء میں مارکو پولو نے چائنا کا سفر کیا اور دنیا کو کاغذی کرنسی سے متعارف کروایا۔ یورپ ابھی بھی کرنسی نوٹ لینے کو تیار نہ تھا۔ اسے مزید تین سو سال لگے نوٹ کو باقاعدہ تسلیم کرتے ہوئے۔ مارکو پولو اپنی کتاب "مارکو پولو کے اسفار"

(The Travels of Morco Polo) کے باب "عظیم خان کے درخت سے بنائے کاغذی نوٹ"

"How the Great Khan causeth the bark of trees, made into something like paper, to pass for money all over his country"

میں لکھتا ہے۔

"جیسا کہ میں نے بیان کیا، کبلائی خان، اپنی پوری سلطنت، جاگیر اور صوبوں میں الغرض جہاں جہاں اس کی طاقت اور حکومت چلتی ہے وہاں ان کاغذی ٹکڑوں کو کرنسی کے طور پر

استعمال کرتا ہے اور کسی میں اتنی مجال نہیں کہ وہ ان کاغذی نوٹوں سے لین دین سے منع کر دیں۔

مزید برآں، وہ تمام تاجر جو انڈیا اور باقی ملکوں سے آتے ہیں ان کو سکوں یا سونے چاندی میں تجارت کی اجازت نہیں وہ یہ سکے خان کے محل میں جمع کرواتے ہیں وہاں کبلای خان نے بارہ ماہرین رکھے ہوئے ہیں جو اپنی کرنسی میں ان سکوں، جواہرات سونے اور چاندی کے نرخ مقرر کرتے ہیں یہ اصل سے کم ہوتے ہیں مگر ایک تو سوائے لینے کے کوئی چارہ نہیں اور ملتے بھی فوراً ہیں تو تاجر انہیں لے کر تجارت کرتے ہیں اور جو چاہیں وہ خرید سکتے ہیں۔ یہ کاغذی ٹکڑے اٹھانے میں آسان اور انتہائی ہلکے ہوتے ہیں۔"

کئی سو سال گزر گئے، چینیوں نے کاغذی نوٹ کے ساتھ وہی کیا جو اہل روم نے سکوں کے ساتھ کیا تھا۔ پیسے کی ویلیو کم ہوتی چلی گئی۔ افراط زر (Inflation) بڑھتی چلی گئی حتی کہ چین میں 1455ء میں کاغذی کرنسی کو یکسر ختم کرنا پڑا اور پھر اسے واپس آنے میں کئی سو سال لگ گئے۔

انڈیا کے راستے جب پرتگالی چین پہنچے، تجارت کے لیے تو وہ اپنے ساتھ ہندوستان سے سکے لائے جن کو جنوبی ہندوستان کی زبان تامل میں "کاسو" کہتے تھے اور یہیں سے لفظ "CASH" دنیا کو ملا۔

پندرہویں صدی اور سولہویں صدی کے شروع میں جہاں چین واپس سکوں، ضمانتی تختیوں (Promissory-Notes) اور کاغذی کرنسی کی طرف واپسی کا سوچ رہا تھا۔ وہاں یورپ نے بڑھتی ہوئی ڈیمانڈ کے مد نظر سکوں کے حجم کو گھٹانا شروع کیا۔ چوکور سے گول سکے اسی Debasment کا نتیجہ تھے۔ 1606 کے ایک منی چینجر کے اشاعت شدہ

مینوئل کے مطابق اس وقت ایمسٹرڈیم میں 341 چاندی کے اور 505 قسم کے سونے کے سکے رائج الوقت تھے۔

شمالی امریکی انڈینز نے اپنے ایک تہوار کے نام پر Poltach پولٹیک کو لین دین کے لیے اپنایا تو باقی امریکیوں نے ویم پم جو کہ سفید شیلز سے بنی تسبیح کی طرح ہوتی تھی کو کرنسی کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا۔

1609ء میں یورپ کے پہلے بینک کا قیام ایمسٹرڈیم میں عمل میں آیا۔ بینک نے لوگوں سے سکے، غیر ملکی سکے اور تحریف شدہ سکے (Debase Coins) لینے شروع کیے اور ان کے وزن اور قدر کے برابر بینک کا ضمانتی نوٹ (Bank Money) دینے شروع کر دیئے۔ جو اس بات کی ضمانت تھا کہ بینک حامل ہذا کو اتنے سکے طلب کرنے پر ادا کرے گا۔ یہ دنیا کی پہلی کاغذی کرنسی تھی جس کے پیچھے حکومتی گارنٹی تھی۔ اور جس نے قانوناً صرف اسی کرنسی کے استعمال کو لازمی قرار دیا۔

1642ء میں امریکی ریاست ورجینیا نے تمباکو کو قانونی زر (Legel Tender) کا درجہ دے دیا جو اگلے دو سو سالوں تک جاری رہا۔

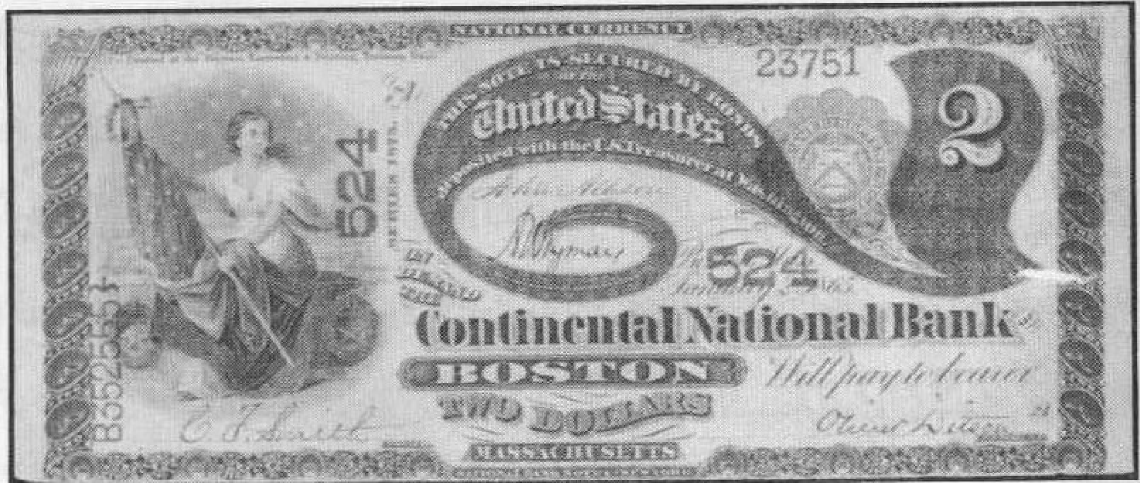
1652ء میں سوئس حکومت نے جون پام اسٹریچ کو پہلا سوئس بینک کھولنے کی اجازت دی جس نے 16 جولائی 1661ء میں پہلا نوٹ جاری کیا۔

انگلستان کا نوٹ کہیں بعد میں 1694 میں شائع ہوا۔ اور امریکہ نے آزادی کے بعد 10 مئی 1775ء میں اپنے نوٹ کا اجراء کیا جو کونٹی نینٹل نوٹ کہلایا۔



(تصویر 2: کونٹی نینٹل کرنسی)

یورپ میں بینکوں نے بل آف ایکسچینج کا اجراء شروع کیا جس میں اشیاء کے خریدار سے ایک ضمانتی نوٹ لیا جاتا کہ وہ مستقبل میں ادائیگی کرے گا۔ ایسے نوٹ کے پیچھے خریدار کا اعتبار (Credibility) یا کسی مضبوط ضمانت کار (Guarantor) کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے کہ آج کل بینک ایل سی کھولتے ہیں۔



(تصویر 3)

1640ء میں انگلستان میں کنگ چارلس نے زبردستی رائل منٹ میں موجود لوگوں کا سونا قبضہ کر لیا۔ تاجروں نے حکومت پر بھروسہ ختم کر کے لندن کے زرگروں کے پاس سونا

رکھوانا شروع کر دیا جن کے پاس بڑے محفوظ سیف اور جگہیں ہوتی تھیں۔ اس سونے کے عوض وہ انہیں رسید دیتے اور ان رسیدوں کی مدد سے لین دین ممکن ہو جاتا کیونکہ رسیدوں کے پیچھے اصل سونا ہوتا لہٰذا بینک کے دیوالیہ ہونے یا فراڈ کا خدشہ تقریباً ختم ہو جاتا۔

بعد میں تاجروں نے سُناروں کو اس بات کی اجازت بھی دیدی کہ وہ چاہیں تو سونا یا اس مقدار کے ضمانتی نوٹ کسی اور کو ادھار دے دیں اور سود وصول کریں جس کا ایک حصہ سونا جمع کروانے والے کو بھی ملتا اور یوں ہلکے ہلکے ماڈرن بینکنگ کی داغ بیل پڑی۔

بینک آف ایمسٹرڈیم نے کاروبار اور لوگوں کو ادھار دینے شروع کر دیئے جس کا بڑا حصہ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کو گیا۔ لوگوں نے پیسے لوٹانے میں دیر کی، کچھ نے غبن کیا اور بالآخر ایمسٹرڈیم شہر کو بینک کی بھاگ دوڑ سنبھالنی پڑی جس نے 1791 میں بینک لے کر 1819ء میں بند کر دیا۔

بینک آف ایمسٹرڈیم کے اچانک بند ہو جانے کا خلاء بینک آف انگلینڈ نے پورا کیا۔ 1694ء میں شروع ہونے والا یہ بینک دنیا کا سینٹرل بینک بن گیا اور پاؤنڈ آسٹرلنگ دنیا کی پہلی ریزرو (Reserve) کرنسی۔

بینک آف انگلینڈ اگلے کئی سو سالوں تک پرائیویٹ بینک رہا حتیٰ کہ اسے 1946ء میں قومیا لیا گیا۔

اٹھارویں صدی میں اسکاٹ لینڈ اور انیسویں صدی میں امریکہ نے نوٹوں کو دھڑا دھڑ چھاپنا شروع کیا۔ صرف انیس ویں صدی میں امریکہ میں دس ہزار سے زائد طرح کے کرنسی نوٹ گردش میں رہے۔ جیسے کہ آج آٹھ سو سے زائد کرپٹو کرنسیز موجود ہیں۔

جب کرسٹوفر کولمبس نے 1492ء میں اٹلانٹک کی طرف سفر شروع کیا تو وہ مشرقی ایشیاء کا راستہ ڈھونڈنے کے ساتھ ساتھ سونے کی بھی تلاش میں تھا۔ اسے کیریبین کے پاس

ہسپانولیہ کے جزیرے پر کافی سونا ملا۔ مگر اتنا نہیں جتنا اس کے پیچھے جانے والوں کو وسطی اور جنوبی امریکہ میں ملا۔ کولمبس کے نصیب میں امریکہ آگیا۔

اسپینش لٹیرے جب ان علاقوں میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ مقامی آذٹیک باشندے میکسیکو میں اور انکاس پیرو میں سونے اور چاندی کو کرنسی کی بجائے زیور و آرائش کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

اسپینش کو جلد ہی چاندی کا ماخذ پتہ چل گیا جو کہ پتوسی بولیویا میں تھا۔ یہاں دنیا کی تاریخ کی سب سے بڑی چاندی کی کان تھی۔

1556ء اور 1783ء کے درمیان یہاں سے 45 ہزار ٹن چاندی نکال کر اسپین بھیج دی گئی۔ مائننگ میں مرکری استعمال ہوتا تھا۔ احتیاطی تدابیر کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہزاروں لوگ ہلاک ہوئے۔ لوگوں کی کمی کو پورا کرنے کیلئے افریقہ سے غلام لائے گئے جن کی ایک بڑی تعداد بھی ہلاک ہوگئی۔

سونے اور چاندی کی اس غیر معمولی سپلائی نے اگرچہ اسپین کو کچھ عرصہ کے لئے خوشحال تو کردیا مگر یہ ملک کے مستقبل کیلئے اچھا ثابت نہ ہوا۔ اسپین نے اس پیسے سے کچھ جنگیں تو لڑیں مگر نہ کوئی نئی تجارت کی، نہ ہنر سیکھا اور نہ کچھ کاشت کیا۔ اتنے سارے پیسے کی وجہ سے اشیاء کے نرخ بڑھ گئے اور افراط زر کی وجہ سے غریب چیخ اٹھے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ روم میں سونے چاندی کی قلت سے Inflation ہوئی تو یہاں زیادتی سے۔

سونے کی بات نکل چلی ہے تو آیئے تھوڑا تفصیل سے دیکھ لیتے ہیں۔

سونے کی تلاش، جانکاری دریافت و کھدائی میں ہزاروں سال لگانے اور ہزاروں جانوں کے ضائع کردینے کے باوجود دنیا نے آج تک جتنا سونا بھی نکالا ہے وہ 65×65×65 فٹ یا 20×20×20 میٹر کے ایک رقبے میں سما سکتا ہے، ایک اولمپک کے سوئمنگ پول کے

حجم جتنا۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا نے کل 174,000 ٹن سونا نکالا ہے یعنی ہر شخص کے حصے میں 23 گرام آیا۔ ہم سارا سونا پہاڑ کھود کے زمین کی تہہ سے نکالتے ہیں، اسے صاف کرتے ہیں اور پھر دنیا کے کسی فیڈرل بینک کے زیر زمین والٹ میں رکھ دیتے ہیں۔ سونے کو شاید زمین سے کچھ خاص انسیت ہے خود بھی وہاں رہتا ہے اور اپنے استعمال کرنے والوں کو بھی ایک دن وہیں لے جاتا ہے تو ہم سونے کو زیر زمین والٹ میں رکھ کر پھر سے ضمانتی رسید اور Promissory Notes پر کاروبار کرتے ہیں، چین کی مٹی کی تختیوں کی طرح وہی جو ہزاروں سال سے کرتے چلے آئے ہیں۔

کولمبس اور اس کے بعد اتنے سارے سونے اور چاندی کے بعد یورپ میں کرنسی کی قدر بہت کم ہو گئی اور افراط زر نے ملکوں کو کئی صدیوں تک جکڑے رکھا۔ سونے کو سب سے پہلے قدر کا معیار(Gold Stanadard) 1816ء میں انگلستان میں بنایا گیا۔

کرنسی نوٹ کا اجراء تو اب تک صدیوں سے ہو رہا تھا مگر نوٹ کے پیچھے سونے کی گارنٹی کا سلسلہ اب شروع ہوا۔ امریکہ نے انیس ویں صدی کے اوائل میں اس پر عمل کیا اور یہ وہ قانون ہے جسے دنیا آج ''سونے کا معیار'' (Gold Stanadard) کے نام سے جانتی ہے۔

ان دنوں میں کوئی ملک صرف اتنی ہی کرنسی جاری کر سکتا تھا جتنا اسکے پاس سونا ہو۔ ملک سونے کی کوئی رقم طے کرتا تھا اور پھر کرنسی جاری کی جاتی۔ مثلاً اگر امریکہ میں ایک اونس سونا بیس ڈالر کا ہے تو اس کا مطلب ہوا کہ ہر ایک ڈالر سونے کے اونس کا بیسواں حصہ ہے کوئی بھی شخص مرکزی بینک میں جاکر ڈالر دے کر اس کی قدر کے مطابق سونا لے سکتا تھا۔ 1930ء میں معاشی ابتری کے بعد دنیا نے آہستہ آہستہ ''سونے کے معیار'' کو خیر باد کہہ دیا



اور آج دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں بچا جہاں گولڈ اسٹینڈرڈ باقی ہو یا جہاں سے آپ کو مرکزی بینک پیسے لے کر اس کے متبادل سونا دے سکے۔

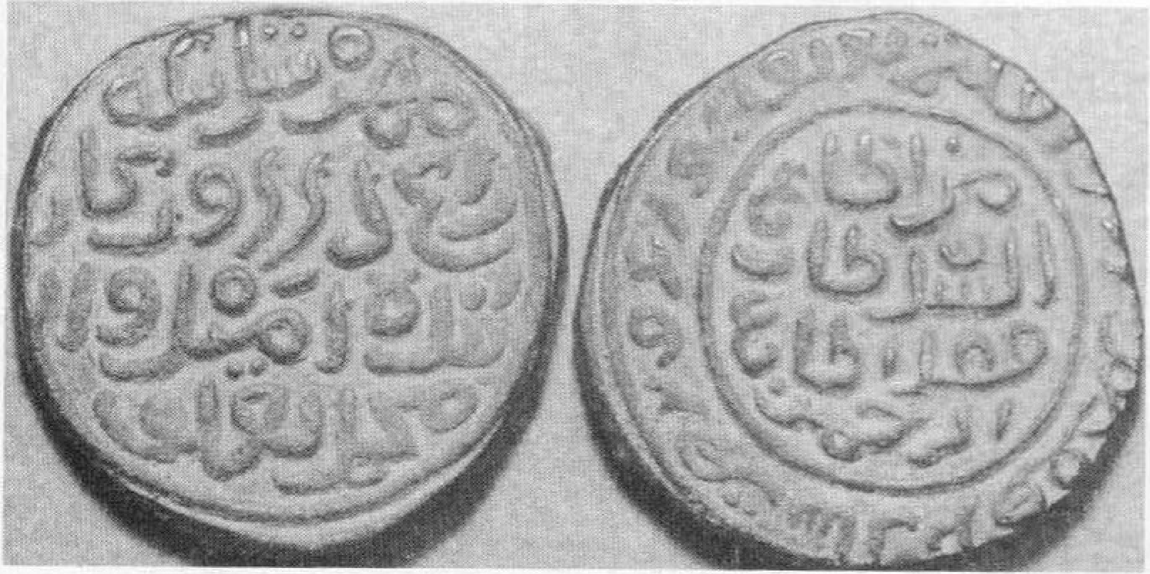
سونا انسانوں کے لئے ہمیشہ سے کشش کا باعث اور قابل اعتبار رہا۔ وہ دھات کی صورت میں ہو یا جیولری کی۔ چڑھاوے کی صورت میں ہو یا سجاوٹ کی، دولت کی شکل ہو یا مال کی۔ آسٹریلیا کی ابرجینز سے لے کر پیرو کے انکاس تک، ہندوستان کے برہمن سے لے کر اسپین کے لٹیروں تک اس کی قدر سب نے کی۔

مڈل ایجز میں بازنطینی سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی ان کے سکوں کی قدر ختم ہوتی چلی گئی اور دنیا ہلکے ہلکے چاندی یا سونے اور چاندی دونوں دھاتوں کی مشترکہ قدر پر آنے لگی اور یہ سلسلہ امریکہ کی آزادی تک چلتا رہا۔

سن 1717ء میں سر آئزک نیوٹن (جو اس وقت رائل منٹ کے ماسٹر تھے) نے چاندی اور سونے کے مابین ایک Ratio بنا کر چاندی کو مکمل طور پر عام سرکولیشن سے خارج کر دیا۔

گولڈ اسٹینڈرڈ یا سونے کے معیار تین طرح کے ہوتے ہیں۔ گولڈ اسپیشیز (Gold Species) جس میں سونے کے سکے عام سرکولیشن میں ہوں جس کی بنیاد پر رائج تمام کرنسی کی قدر متعین ہو۔

دوسرا گولڈ بلین (Gold-Bullion) جس میں رائج کرنسی کی بنیاد تو سونا ہو مگر خود سونے کے سکے سرکولیشن میں نہ ہوں۔ کوئی شخص کرنسی کے بدلے سونا خرید سکے مگر سونا بطور کرنسی استعمال نہ ہوتا ہو۔



(تصویر 4: صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے دور میں استعمال ہونے والے سکے)

تیسرا گولڈ ایکسچینج(Gold-Exchange) جو صرف ملکوں کے مابین ہوتا ہو اور ایک ملک دوسرے ملک کی کرنسی کی قدر اس کے پاس موجود سونے کے ذخائر کے حساب سے کر سکے۔

1821ء میں رائل منٹ کی گارنٹی کے ساتھ انگلستان میں گولڈ اسٹینڈرڈ کا معیار اپنایا گیا۔ ریاست ہائے متحدہ، ریاست ہائے متحدہ کینیڈا، نیو فاونڈ لینڈ اور جرمنی نے بھی اپنالیا۔ امریکہ نے گولڈ ایگل اور کینیڈا نے حکومتی گولڈ متعارف کروایا۔ تمام ملکوں نے اس معیار کو عالمی جنگ عظیم اول کے شروع ہوتے ہی ختم کر دیا۔

1931ء کا عظیم معاشی انحطاط (گریٹ ڈپریشن) گولڈ اسٹینڈرڈ سے رخصت کی بنیادی وجہ بنا۔ لوگوں کو لگا کہ دنیا شاید ختم ہونے والی ہے تو انہوں نے دھڑا دھڑ پیسے دے کر سونا نکالنا شروع کر دیا۔ بینک آف انگلینڈ دیوالیہ ہونے کے قریب تھا۔ اس کا سربراہ مونٹا گو نارمن اس پریشانی میں بیمار ہو کر طویل رخصت پر چلا گیا اور اس کے جانے کے بعد اس کے ساتھیوں نے ایک دن اچانک گولڈ اسٹینڈرڈ ختم کر دیا۔ امریکہ میں فرینکلین ڈی روزویلٹ کی صدارت

تھی۔ ایف ڈی آر کے تمام مشیران نے اسے گولڈ اسٹینڈرڈ پر رہنے کی تجویز دی، سوائے ایک کے: جارج واران زرعی معاشی ماہر تھا۔ صدر نے اس کی بات سنی اور امریکہ نے بھی سونے کے معیار کو تدریجاً خیر باد کہہ دیا، باقی دنیا نے انگلستان اور امریکہ کی پیروی ہی کرنی تھی اور اس طرح ہلکے ہلکے دنیا گولڈ اسٹینڈرڈ سے باہر آگئی۔ اس معیار کو خدا حافظ کہنے والا آخری ملک سوئٹزرلینڈ تھا جس نے سن 2000 میں سونے کے معیار سے خلاصی چاہی۔

1970ء میں صدر نیکسن نے ڈالر سے سونے کے عالمی تبادلے پر یکسر پابندی لگادی اور یوں یہ باب ہمیشہ کے لئے بند ہوا۔ امریکی نوٹ پر حامل ہذا کو مطالبے پر ادا کیا جائے گا کے بدلے "ہم خدا پہ بھروسہ کرتے ہیں" لکھ دیا گیا۔

اگرچہ عالمی جنگ عظیم دوئم کے فوراً بعد دنیا نے کسی طور گولڈ اسٹینڈرڈ پر جانے کی کوشش کی تھی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ جولائی 1944ء میں ماونٹ ڈیسپشن (Mount Deception) کے ساتھ بریٹن وڈز کانفرنس (Bretton Woods Conference) ہوئی اور اس میں بریٹن وڈز نام کا ایگریمنٹ طے پایا، کہ کوئی بھی ملک 35 ڈالر میں امریکہ سے ایک اونس سونا لے سکتا ہے۔ اس طرح بلاواسطہ دنیا کے تمام ملک گولڈ سے جڑ گئے۔ آئی ایم ایف کا قیام عمل میں آیا کہ ملکوں کے مابین ٹرانزیکشن کو موثر بنایا جائے مگر 1960ء تک پہنچتے پہنچتے پھر پیچیدگیاں ہو گئیں اور 1968ء میں یہ سسٹم بھی فیل ہو گیا۔ صدر ان نیکسن نے پندرہ اگست 1971ء میں گولڈ ونڈو کو بند کر دیا کہ کوئی بھی فکسڈ ریٹ پر اب امریکہ سے سونا نہیں لے سکتا اور یوں اس واقعہ جسے "نیکسن شاک" بھی کہا جاتا ہے نے سونے کے معیار کے تابوت پر آخری کیل ٹھونک دی۔

اس وقت دنیا کی کوئی بھی کرنسی کے پیچھے سونے کے ذخائر نہیں ہیں اور سب کی سب فیاٹ (Fiat) کرنسی (حکومتی ضمانت کے ساتھ) ہیں۔

امریکہ کا سونا ایک ہزار اونس کے بار کی شکل میں مختلف جگہوں پر محفوظ ہے۔
فورٹ ناکس بلین ڈیپازیٹری میں 4600 ٹن سونا محفوظ ہے جس کی مالیت 58 بلین ڈالرز بنتی ہے۔ 1781 ٹن ویسٹ پوائنٹ، نیویارک میں 1368 ٹن ڈینور میں اور 1000 ٹن کے لگ بھگ فیڈرل ریزروز میں۔ امریکہ کے پاس اپنا کل آٹھ ہزار ٹن سونا ہے جس کی مالیت 100 بلین ڈالر ہے۔ Amazon کے سی ای او کی نیٹ ورتھ 113 بلین ڈالرز ہے۔ دنیا کے باقی ملکوں نے بھی نیو یارک کے مین ہیٹن میں قائم فیڈرل ریزروز کے زیر زمین اسی فٹ نیچے والٹ میں اپنا سونا محفوظ کیا ہوا ہے۔ یہ کوئی دس ہزار ٹن سونا ہے جس کی مالیت 125 بلین ڈالرز ہے یہ چار سو ٹرائے اونس کے بار کی شکل میں ہے۔ ہر بار کی قیمت 160,000 ڈالر ہے یہ الگ الگ چیمبرز (کمروں) میں رکھا گیا ہے سب سے بڑے چیمبر میں 107,000 بار ہیں جو دس فٹ لمبے، دس فٹ چوڑے اور اٹھارہ فٹ گہرے رقبے میں محفوظ ہیں۔
دنیا میں کہیں سے سونا نکلے وہ افریقہ میں موجود نوبیا کی کانیں ہوں یا میکسیکو میں آزٹیک لوگوں کا سرمایہ وہ پیرو میں انکاس کی دولت ہو یا باز نطینی ایمپائر کے سکے، گھانا کے بادشاہ کے Mponeng میں لگے سونے کے ٹکڑے ہوں یا جنوبی افریقہ کی کانوں سے زولو اور ژوسا قبیلوں کی کار گزاری، دنیا کے سونے کی تاریخ مین ہیٹن کی اسی فٹ زیر زمین اس قبر تک پہنچ جاتی ہے۔
سونے کی قدر کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ 42 سینٹی میٹر کا ایک ٹکڑا جو کہ ایک ڈالر کے نوٹ کا دو تہائی حصہ بنتا ہے کی مالیت ایک ملین ڈالر ہے۔ ٹرمپ کی کل دولت 3.7 بلین ڈالر اگر سونے میں منتقل کی جائے تو سونے کی ڈلی کا حجم 1.7 میٹر بنے گا جو کہ خود ٹرمپ کے

قد سے چھوٹی ہے۔ بٹ کوائن کی کل مارکیٹ 14.7 بلین ڈالرز یا 12.3 ملین اونس سونے کے برابر ہے۔

سونے کی سب سے بڑی کان:۔

انسان سونے کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ کیاآپ کو یقین آئیگا کہ انسان زیر زمین ڈھائی میل جاکے، جان جوکھوں میں ڈال کے صرف تیس انچ کی سونے کی تہہ میں جائے گا۔ جی ہاں یہ روز کا کام ہے ساؤتھ افریقہ کے شہر یونانگ میں یہاں دنیا کی سب سے گہری سونے کی کان ہے جو کہ Witwatersend Basin وٹ واٹر سینڈ بیسن پر مبنی ہے۔ دنیا میں اگر کہیں بھی سونا ہو تو غالب امکان ہے کہ اس کا پچاس فیصد اسی پٹی سے نکلا ہے۔ یہ 1886ء میں دریافت ہوئی اور روایت یہ ہے کہ یہاں سے قریب موجود (Vredefort Crater) جس کا رقبہ دو سو میل ہے یہاں کسی شہاب ثاقب کے ٹکرانے سے 2.02 بلین سال پہلے وجود میں آیا تھا اور اس ٹکراو کے نتیجے میں یہ کان وجود میں آئی یا ظاہر ہوئی۔

یونانگ کی سونے کی کان جوہانس برگ سے مغرب میں واقع ہے اور اینگلو گولڈ اشانتی کی ملکیت ہے۔ یہاں دنیا کی لمبی ترین لفٹ ہے جو چار ہزار (4,000) کان کن مزدوروں کو روز زمین میں ڈھائی میل اندر لے جاتی ہے۔ چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے کے باوجود پہلے اسٹاپ پر پہنچنے میں نوے منٹ لگتے ہیں آپ سوچیں کہ ڈیڑھ گھنٹہ لفٹ میں زیر زمین سفر کیسا لگے گا۔ زیر زمین درجہ حرارت ساٹھ سینٹی گریڈ اور Humidity 95 فیصد ہے۔ روز چھ ہزار ٹن برف دھکیلی جاتی ہے تاکہ پنکھے سرد ہوا پھینک سکیں۔ پانچ ہزار پاونڈ دھماکہ خیز مواد، چھ ہزار چار سو ٹن پتھروں کو نکالنے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ ہر آئے دن انہیں مزید نیچے جاکر کھدائی کرنی ہوتی ہے اس کی گہرائی کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ یہاں

دس ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ سما سکتی ہیں ۔ یہاں بہت سے گھوسٹ مائنرز بھی چلے جاتے ہیں جو غیر قانونی طور پر سونا نکالتے ہیں یہ لوگ زیر زمین رہتے ہیں اور سورج کی روشنی نہ ملنے سے انکی جلد کی رنگت تک بدل جاتی ہے۔

جائز کان کن، ان ناجائز کان کنوں کو کھانے پینے کی اشیاء اور باقی چیزیں اصل سے بارہ گنا تک بیچتے ہیں اور یہ سب کچھ سونے کی اس قبر میں زمین سے ڈھائی میل نیچے ہو رہا ہے۔

یہاں سائنسدانوں نے ایک بیکٹریا Desulforudis Audaxviator دریافت کیا جو سورج کی روشنی کے بغیر ماحول میں موجود ریڈیو ایکیٹو انرجی سے اپنی خوراک خود پیدا کرتا ہے اور یہاں سے سورج کی غیر موجودگی میں حیات کا فلسفہ چل نکلا کہ شاید کسی سیارے پر ایسی بھی کوئی حیاتیاتی مخلوق موجود ہو۔

آج کرپٹو کرنسی پر ماحولیاتی ظلم اور پیچیدگیوں کا الزام لگانے والوں کو یہ کانیں پتہ نہیں کیوں نظر نہیں آتیں۔ اور سونے کا ہی کیا رونا، ایسی کئی دھاتیں ہیں جو سونے سے زیادہ قیمتی ہیں ۔روڈیم ہے، پلاٹینم ہے۔ اینٹی میٹر کا ایک گرام ایک ٹریلین ڈالر کا اور اینٹی ہائیڈروجن کا ایک گرام 62 ٹریلین ڈالرز کا ہے۔ ریئر ارتھ کی مائننگ میں پورا چائنا کھنگال ڈالا (یہ آئی فون میں استعمال ہوتی ہے) اور اس کی موجودگی آج تک افغانستان میں امریکی فوج کو روکے ہوئے ہے۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ پیسہ ایک سماجی تخیل (Social-Construct) ہے۔ اگر لوگوں کا اعتماد اس کے پیچھے ہے تو یہ پیسہ ہے ورنہ نہیں ۔ڈالر کے پیچھے لوگوں کے اعتماد کے سوا کچھ نہیں، جس دن یہ ختم ہو گیا اس کی قدر ردّی کے برابر بھی نہیں رہے گی۔

ہر پیسہ اپنے سماج، ماحول اور لوگوں کا پابند ہے مثلاً آپ بچوں کے کھیل مونوپلی میں مونوپلی منی سے خریداری کر سکتے ہیں اس کے باہر نہیں تو گیم کے اندر مونوپلی سو فیصد پیسہ میں شمار

ہو گی۔اس طرح آپ فرانس میں پاکستانی روپوں میں دودھ نہیں لے سکتے۔پاکستان میں مل جائے گا۔ سونے کے معیار کے بہت سے فائدے اور نقصانات ہیں۔

فائدوں میں سب سے بڑا فائدہ تو یہ کہ سونے کی ایک یونیورسل ویلیو ہے جسے سب تسلیم کرتے ہیں اور اس کی سپلائی محدود ہے۔یہ ناتو ناپید ہے اور نہ ہی تیل یا سبزیوں کی طرح عام ۔چھ سو قبل مسیح سے لے کر آج تک دنیا اور لوگوں کے دل میں سونے کا جو مقام اور عزت ہے وہ کسی اور دھات یا شے کے حصے میں نہیں آئی۔ حکومتی کاغذی نوٹوں کے پیچھے تو صرف لوگوں کا اعتماد ہے جس دن وہ اٹھ گیا یا حکومت نے پیسوں کو Null & Void ڈیکلیئر کر دیا اس کی کوئی قانونی حیثیت یا قدر باقی نہ رہے گی۔سونے کے ساتھ یہ ہونا بہت مشکل ہے۔

دوسرا فائدہ یہ کہ حکومت کے پاس محدود طاقت ہوتی ہے۔کوئی اپنی مرضی سے جتنے چاہے نوٹ نہیں پرنٹ کر سکتا۔جس ملک کے پاس جتنا سونا ہو گا وہ صرف اتنے ہی نوٹ پرنٹ کر سکے گا۔امریکہ نے جب گولڈ اسٹینڈرڈ کو خیر باد کہا تو اس وقت دنیا میں صرف 48 بلین ڈالر گردش میں تھے جو آج بڑھ کر 12 ٹریلین ڈالر تک پہنچ گئے ہیں۔

سونے کا معیار ایک جمہوری طریقہ کار ہے جو تاجر کو رعایت دیتا ہے جتنا سونا ہو گا مارکیٹ میں اتنی ہی پیسوں کی گردش ہو گی اس کے بغیر حکومت جب چاہے، جیسے چاہے مارکیٹ کو کنٹرول کر لے مرکزی بینک کی حیثیت مطلق العنان بادشاہ جیسی ہے اور عوام کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔وہ قوم کے "وسیع تر مفاد میں "جو چاہے کر گزریں، مثلاً پاکستانی حکومت نے ابھی حال ہی میں ڈالر کے مقابلے میں روپے کی قدر گرا دی۔کہتے ہیں کہ اس سے برآمدات میں اضافہ ہو گا مگر عام عوام کا اس فیصلے میں کوئی عمل دخل نہیں۔ ''سونے کے معیار'' میں یہ ممکن نہیں۔

''سونے کا معیار'' سے افراط زر کی شرح بھی بہت کم رہتی ہے۔ تاجر کا بھی فائدہ، اور عوام کا بھی۔ نقصان صرف حکومت کا ہوتا ہے۔ سن 1893 سے 1913ء تک امریکہ میں افراط زر کی شرح اوسطاً صرف 1.6 فیصد رہی۔ گولڈ اسٹینڈرڈ کے خاتمے کے بعد 1971ء میں 3.3 فیصد سے 1979ء میں بڑھ کر 133 فیصد تک پہنچ گئی۔ امریکی فیڈرل ریزروز کی تحقیق کے مطابق اس وقت میں 15 ملکوں میں گولڈ اسٹینڈرڈ کے تحت افراط زر کی شرح اوسطاً 1.75 تھی جو بعد میں بڑھ کر 9.17% فیصد ہو گئی۔

1971ء اور 2003ء کے درمیان امریکی ڈالر اپنی قوت خرید اسی فیصد گنوا بیٹھا تھا۔ 1971ء کے 17 سینٹ (17 سینٹس) 2011ء کے ایک ڈالر کے برابر ٹھہرے۔

گولڈ اسٹینڈرڈ پر رہنے سے ملکوں کا مجموعی قرضہ بھی کم رہتا ہے جب ملک فیاٹ کرنسی میں ادائیگی کرتے ہیں تو باقی ملک اس کرنسی میں ملکی بانڈز لے لیتے ہیں۔ امریکہ کے قرض کا پچاس فیصد سے اوپر حجم غیر ملکی سرمایہ کی صورت میں ہے۔

1971ء میں امریکہ کا کل قرضہ 406 بلین ڈالرز تھا جو اب بڑھ کر 19 ٹریلین ڈالرز تک جا پہنچا ہے۔

گولڈ اسٹینڈرڈ سے جنگیں بھی کم ہوئیں۔ صرف افغانستان اور عراق کی جنگوں میں امریکہ نے ایک اندازے کے مطابق تین ٹریلین ڈالرز لگائے ہیں اگر پیچھے سونا ضروری ہوتا تو اتنے پیسوں کا انتظام ممکن ہی نہ تھا۔ آج تو صرف کچھ کلک کرنے پڑتے ہیں اور پیسہ ''تخلیق'' ہو جاتا ہے۔ 2008ء کے معاشی بحران میں امریکہ نے مارکیٹ میں تین ٹریلین ڈالرز شامل کیے۔ کلک، کلک اور کلک، یہ رہے آپ کے تین ٹریلین ڈالرز۔



(تصویر5: امریکی500ڈالر کا نوٹ)

رہی سہی کسر 1975ء کے اوپیک (OPEC) معاہدے نے پوری کردی جس میں سعودی عرب کی سربراہی میں تمام ملکوں نے تیل بیچنے کے لئے صرف وصرف امریکی ڈالرز لینے پر اتفاق کیا۔اب دنیا کے ہر ملک کو تیل چاہیے اور وہ صرف امریکی ڈالرز میں لے سکتے ہیں۔عالمی ٹرانزیکشنز صرف امریکی ڈالرز میں ہو نگی تو امریکہ جتنے چاہے پرنٹ کرلے اس کی کرنسی گرنے میں نہیں آتی۔1973ء میں جو آئل کا بیرل 20 ڈالر کا تھا وہ 2012ء تک 100 ڈالر کا ہو گیا۔اگر کرنسی کے پیچھے سونا ہوتا تو تیل ایک ڈالر فی لیٹر سے مہنگا نہیں جاسکتا تھا۔

گولڈ اسٹینڈرڈ میں معاشی ترقی بھی تیزی سے ہوتی ہے۔1792 سے 1971ء تک امریکہ میں معاشی ترقی کی سطح اوسطاً 3.9 فیصد رہی جو کہ سونے کے معیار کی تلفی کے بعد سالانہ 2.8 فیصد کی اوسط پر آگئی اگر آج گولڈ اسٹینڈرڈ ہوتا تو امریکہ کم از کم آٹھ ٹریلین ڈالر کی معیشت پر ہوتا۔

2008ء میں اپنی مرضی سے پیسہ پرنٹ کرکے امریکہ پیسوں کی سالانہ سپلائی کی 2.6 فیصد اوسط کو 152.3 پر لے آیا دسمبر 2007ء سے دسمبر 2009ء تک جس کا اثر مستقبل

میں افراط زر کی نمو پر پڑا۔ مگر کیونکہ ڈالر کے پیچھے پوری دنیا کی سپورٹ ہے اور اگر ڈالر ڈوبا تو دنیا کو ساتھ لے ڈوبے گا اس لئے بہت سے "ہمدردوں" کا سہارا اسے ہمیشہ ہی مل جاتا ہے۔

گولڈ اسٹینڈرڈ میں بے روزگاری کا تناسب بھی کم ہوتا ہے۔ 5 فیصد بمقابلہ چھ فیصد اور ایک عام آدمی کی آمدنی میں بھی معقول اضافہ ہوتا ہے۔ 2.7 فیصد بمقابلہ صرف 0.2 فیصد۔

مگر ایک معیشت دانوں کا گروہ ایسا بھی ہو جو اس کے نقصانات بتاتے نہیں تھکتا مثلاً سونے کی قدر مستحکم نہیں ہے اور جس شدت کے ساتھ یہ گھٹتی بڑھتی ہے ملکی معیشت اس کی مستحکم نہیں ہو سکتی۔ مثلا اگر سونے کی قدر کچھ عرصے میں پندرہ فیصد تبدیل ہو جائے تو ملک میں موجود ہر شے کی قیمت اسی تناسب سے پندرہ فیصد بدل جائے گی اور کوئی ملک یا عوام اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ مثال کے طور پر 1890ء میں سونے کی قیمت 700 ڈالر تھی جو 1920 میں گھٹ کر 200 ڈالر رہ گئی کہ لوگوں نے مزید کھدائی کر کے زیادہ سونا نکالنا شروع کر دیا۔ 1933 میں (جب دنیا گولڈ بلین معیار پر تھی) سونا 563 ڈالر کا تھا جو 1971 تک 201 ڈالر کا ہو گیا۔ فیاٹ کرنسی کے بعد بھی سونا 2,337 ڈالر فی اونس سے لیکر 1672 ڈالر کے درمیان ڈولتا رہا ہے۔ سونے کی یہ صفت آج کرپٹو کرنسی پر اعتراض کرنے والوں کو ضرور سمجھنی چاہیے۔

فیاٹ کرنسی کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آپ روپے کی قدر کا تعین کر کے باآسانی معاشی بحران سے نکل سکتے ہیں۔ امریکہ میں 1884، 1893، 1890، 1907، 1930، 1931، 1932، 1933 میں شدید معاشی بحران آئے۔ صرف 1933 میں چار ہزار بینکوں نے اپنے کام بند کر دیئے۔ مگر 2008ء میں باآسانی قابو پا لیا گیا کیونکہ حکومت کے پاس پیسے تخلیق کرنے کی طاقت تھی۔

اگر کرنسی کو کسی بھی جنس(Commodity) کے ساتھ نتھی کریں تو آپ اپنی مرضی سے جتنی چاہیں تخلیق نہیں کر سکتے۔ اسی لئے آج کل کی کرنسی مختلف جنس کی ایک ٹوکری کے ساتھ نتھی ہیں اور حکومت اس بات کا تعین کرتی ہے کہ کتنے پیسوں میں ایک عام آدمی کیا کیا لے سکتا ہے۔ اب ملک سے موجود ہر جنس کی شے کے ساتھ بالواسطہ یا بلاواسطہ کرنسی نتھی ہو گئی جس سے یہ مزید محفوظ بھی ہو جاتی ہے۔

افراط زر کرنسی میں جان بوجھ کر رکھا جاتا ہے قریباً تین فیصد تا کہ لوگ نوٹ جمع کر کے نہ رکھ لیں۔ جب ان کو پتہ ہو گا کہ جمع کرنے سے ان کی قیمت کم ہو جائے گی تو وہ انہیں خرچ کریں گے جس کا بہتر اثر ملکی معیشت پر پڑے گا۔

سونے کی بات چل ہی رہی ہے تو گولڈ مائننگ پر بھی بات ہو جائے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کرپٹو کرنسی کی مائننگ کا ماحول پر برا اثر پڑتا ہے اور یہ آدھی دنیا کی بجلی کھا جاتا ہے وغیرہ ان میں صداقت اتنی نہیں ہے۔ ایک اونس سونا زمین سے نکالنے کے لئے اوسطاً 70 ٹن کچرا(Mine-Watse) نکلتا ہے۔ دنیا کے سارے سونے کی قیمت صرف 9.1 ٹریلین ڈالرز ہے امریکہ کا قرضہ ہی 19 ٹریلین ڈالرز ہے۔ گولڈ اسٹینڈرڈ پر واپس جانے کی دنیا متحمل نہیں ہو سکتی۔

گولڈ مائننگ اور بٹ کوائن مائننگ میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔ اگر آپ کو 1846 سے 1852ء کے درمیان کیلی فورنیا کا گولڈ رش(Gold Rush) یاد ہو تو وہاں بھی وہی ہوا تھا جو آج یہاں ہو رہا ہے۔

عام آدمی کے لئے گولڈ مائننگ بہت پر کشش ہو گئی تھی، آج بٹ کوائن مائننگ میں بھی ایسا ہی ہے۔

سونے کی قیمت دوگنی سے زیادہ بڑھ گئی تھی، بٹ کوائن بھی بڑھ رہا ہے۔

بہت سے لوگ سونا نکالنے چل پڑے تھے۔ 1846ء میں صرف 100 مائنرز بڑھ کر 1852ء تک 30 ہزار ہو گئے تھے۔ بٹ کوائن میں بھی فل نوڈز پندرہ ہزار سے تجاوز کر چکے ہیں۔

کچھ لوگ بہت امیر ہو گئے، تھوڑے لوگوں کو تھوڑا بہت ملا، باقی کو کچھ نہیں کرپٹو کرنسی میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔

بہت سے لوگ جو خود تو مائننگ نہیں کر رہے تھے امیر ہو گئے مثلاً جو سامان آلات بیچتے تھے۔ ایک پھاوڑے کی قیمت اس دور میں 36 ڈالر سے تجاوز کر گئی تھی۔ پھر سونا خریدنے اور بیچنے والے اور اس نئی رقم پر جوئے کے اڈے چلانے والے۔ کھانا دینے ولے رہائش گاہ کا انتظام کرنے والے۔

یہی کچھ آج ہو رہا ہے۔ 2000 ڈالر کا اینٹ مائنرز (Ant Miner) آلہ پندرہ ہزار ڈالر کا ہو چکا ہے گرافکس کارڈ تین سے چار ماہ بعد مل رہے ہیں۔ اور کرایہ پر جگہ دینے والے بجلی والے اور تکنیکی ماہرین خوب کما رہے ہیں۔

اپنی تقدیر جگانے کے لئے لوگوں نے گروہ کی شکل میں سونا ڈھونڈنا شروع کر دیا کہ ملے گا تو سب بانٹ لیں گے۔ کرپٹو کرنسی میں پولنگ اسی کو کہتے ہیں۔

جتنے زیادہ لوگ آتے گئے سونا ڈھونڈنا اتنا ہی مشکل ہوتا چلا گیا۔ یہاں بھی یہی ہوتا ہے اسے ہم مائننگ ڈیفیکلٹی (Mining Difficulty) کہتے ہیں۔

اگر آپ سونے اور بٹ کوائن کے انرجی کے خرچے کو مد نظر رکھیں تو ایک بٹ کوائن سونے کے ایک اونس کے مقابلے میں سات گنا زیادہ انرجی خرچ کرتا ہے۔ مگر پھر بھی مکمل خرچ کم ہے کیونکہ دنیا بٹ کوائن کے مقابلے میں 135 گنا زیادہ سونا نکال رہی ہے۔

2017ء میں روز کے 1800 کوئنز کے حساب سے سال کے 650،000 بٹ کوائن بنے جب کہ اسی عرصے میں سونے کی دوسب سے بڑی کمپنیوں بیر ک (Barrick) اورنیو مونٹ(New-Mont) نے 88 ملین اونس سونانکالا اور ہر اونس پر 8.5 گیگاجولز بجلی لگی۔

جنوری 2018ء میں بجلی،آلات، مہارت سب کا خرچہ ملا کے ایک بٹ کوائن پر 1800 ڈالر کی لاگت آتی ہے اور یہ بکتا ہے 14 سے 15 ہزار ڈالر میں 2016 کی رپورٹ کے مطابق ایک اونس سونانکالنے پر 1،115 ڈالر لاگت آتی ہے اور یہ بکتا ہے 1250 سے 1300 ڈالر کے درمیان۔

آج کل کی دنیامیں بٹ کوائن کی مائننگ، سونے کی مائننگ سے زیادہ نفع بخش ہے اور یہ حقیقتاً ڈیجٹل گولڈ ہے۔



(تصویر 6: سلور ڈالر)

چلیں ہم اپنے اصلی موضوع کی طرف واپس آتے ہیں۔ کیاآپ کو معلوم ہے کہ پیسہ غائب بھی ہوسکتا ہے؟ جی بالکل دنیامیں کیش / نقدی کل کرنسی کا تین فیصد بھی نہیں۔ باقی سب کمپیوٹرز

میں ڈیجیٹل نمبرز کی شکل میں ہے آپ نے کسی کو آن لائن ٹرانسفر کروایا یا کریڈٹ / ڈیبٹ کارڈ سے پیمنٹ کی ایک جگہ سے نمبر کم ہو کر دوسری جگہ بڑھ گیا۔ کوئی پیسہ جسمانی طور پر ادھر سے ادھر منتقل نہیں ہوا۔ دنیا کی ستانوے فیصد کرنسی ایسے ہی زندہ ہے لوگ اگر بینکوں سے سارے پیسے لینے پہنچ جائے تو بینک دیوالیہ ہو جائے۔ بینک عموماً اپنے پاس محفوظ پیسوں کا بیس واں حصہ مرکزی بینک میں رکھوانے کے پابند ہوتے ہیں باقی وہ کلک کلک کر کے ادھار اور باقی مد میں ادھر سے ادھر کرتے رہتے ہیں۔

اگر لوگوں کا بینکوں سے حکومت سے یا کرنسی سے اعتماد اٹھ جائے تو وہ فوراً اسے متبادل کرنسی میں تبدیل کرنا چاہیں گے یا سارا پیسہ نکلوانا چاہیں گے جیسا کہ حالیہ سالوں میں ہنگری میں ہوا اور یوں ملک کے معاشی نظام کا بیڑہ غرق ہو جائے گا۔

آپ کو یاد ہو گا کہ نواز شریف نے مئی 1999 میں نیوکلیئر دھماکوں کے بعد سارے ڈالرز اکاونٹ فریز کر دیئے تھے۔ لوگوں کا پیسہ مگر اس پر اختیار ختم۔ وہ دن ہے اور آج کا دن، تاجر طبقہ اپنا پیسہ ملک سے باہر ہی رکھتا ہے۔ اور پھر آپ ان پر فارن اکائونٹس کے طعنے کستے ہیں۔

پیسوں کے غائب ہونے کا یہ سلسلہ گاہے بگاہے چلتا ہی رہتا ہے۔ کرپٹو کرنسی کے اس پورے دھندے میں اچنبھے کی بات صرف وہ ہے جو آپ نے پڑھی نہیں باقی سب دنیا دیکھ ہی چکی ہے۔

اور اگر پیسہ غائب نہ بھی ہو تو تب بھی Inflation کی وجہ سے اگر وہ اوسطاً صرف تین فیصد بھی ہو تو تقریباً تیس سال میں ہر شئے کی قیمت دوگنی ہو جاتی ہے۔ ریئل اسٹیٹ میں تو صرف دس سال لگتے ہیں۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ پیسے کی قدر و قیمت قائم رہتی ہے یا یہ کہ یہ کوئی مجسم چیز ہے، یہ دونوں ہی نظریے باطل ہیں۔

آیئے کچھ مثالیں دیکھتے ہیں کہ پیسے نے اپنی قدر و منزلت سے کیسے آنکھیں پھریں۔

عالمی جنگ عظیم دوئم کے فوراً بعد 1946ء میں ہنگری کی کرنسی پینگو ہر چودہ گھنٹے میں دوگنی ہو رہی تھی مطلب کے جو روٹی آپ نے بدھ کو لی ہے وہ پیر کی صبح تک دس گنا مہنگی ہو جائے گی۔لوگوں کو جیسے ہی پیسہ ملتا وہ اسے فوراً خرچ کرنے کو بھاگتے کہ اتنی دیر میں اس کی قدر مزید نہ گر جائے۔لوگوں نے کچھ ہی عرصے میں پینگو چھوڑ کر بارٹر سسٹم اور سونے سے لین دین شروع کر دیا۔اگست 1946 میں ہنگری حکومت نے نئی کرنسی فورنٹ (Forint) متعارف کروائی جس کا ایک روپیہ چارسو آکیٹلین (4,00,000,000,000,000,000,000,000,000,000)پینگو کے برابر تھا۔

توحقیقتاً پینگو کی قیمت ختم ہو گئی اور لوگوں کے پاس جتنی جمع پونجی تھی وہ آگ لگانے کے کام آئی۔اسے ہاپئرانفلیشن (Hyper-Inflation) کہتے ہیں۔صفر گرانے کا یہ کھیل آج تک جاری ہے۔

نومبر 2008ء میں زمبابوے میں ایک روٹی زمبابوے کی تین سو ملین ڈالر میں آتی تھی۔دوسرے ملکوں کو باقاعدہ اشتہار دینے پڑے کہ ٹوائلٹ پیپرز کی جگہ زمبابوے ڈالر استعمال نہ کریں۔

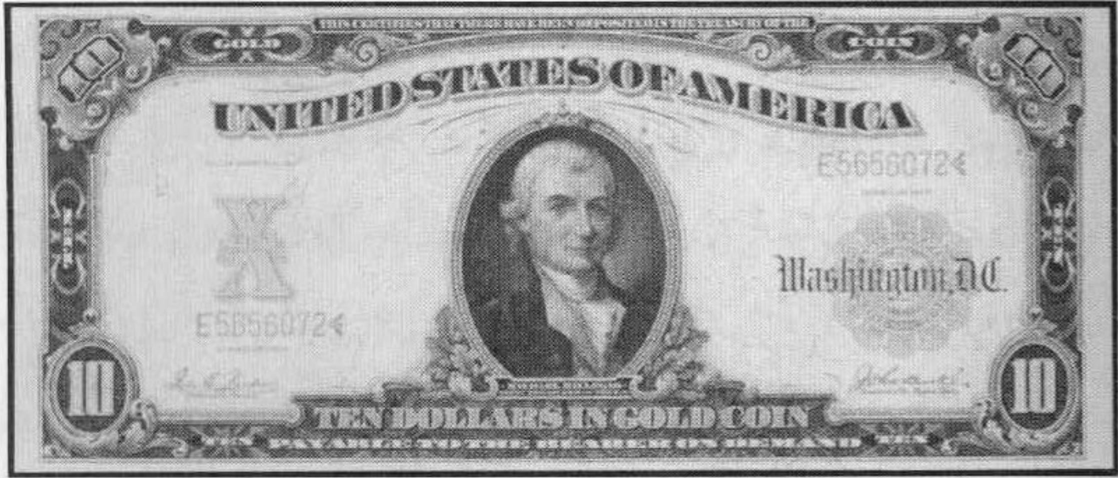
لوگوں نے لین دین کے لئے اپنی ہی کرنسی بنالی اور اسے استعمال کرتے رہے پھر اس کرنسی کی نقل بھی بن گئی مگر لوگ اسے بھی قبول کرتے رہے کہ مزید کرنسی بنانے کے لیے کسی کے پاس سامان وآلات کہاں تھے۔نہ پیچھے کوئی حکومت نہ سنٹرل بینک اور کرنسی پھر بھی زندہ کہ لوگوں کا اعتماد تھا کہ باقی لوگ بھی اسے قبول کریں گے۔(اب کیا اس صورت میں آپ اس ملک کی ساری معاشیات کو حرام کہیں گے؟)

صومالیہ میں حالات سب کے سامنے ہیں۔ موگادیشو سے باہر حکومت کا وجود نہیں یہ لوگ بھی شیلنگز کو استعمال کرتے رہے جس کی قدر عالمی مارکیٹ میں مونوپلی یا بچوں کی کرنسی سے زیادہ نہیں مگر کام چلتا رہا اور چل رہا ہے۔

1994ء میں برازیل نے ریئل نام سے نئی کرنسی متعارف کروائی جو کہ پرانی کرنسی کروز بروریئل کے بدلے ملتی تھی ایک نیا ریئل 2750 کروز برو ریئل میں بدلا گیا۔

2009 میں شمالی کوریا نے اپنی کرنسی سے دو صفر غائب کر دیئے اور اعلان کر دیا کہ نیا وان (Won)، پرانے سو وان کے برابر ہوگا۔ مزید لوگوں کے پاس صرف چوبیس گھنٹے ہیں پیسے تبدیل کرنے کے لئے اور ایک شخص 690 ڈالر سے زیادہ تبدیل نہیں کر سکتا۔ کتنے ہی لوگ لاکھوں سے محروم ہوئے اور کتنوں نے صرف اسی صدمے میں چوبیس گھنٹے گزار دیئے۔ شمالی کوریا کی کرنسی ملک سے باہر کہیں نہیں چلتی تو حکومت سرکاری طور پر 96 وان کو ایک ڈالر کے برابر بتاتی ہے مگر جب آپ منی چینجر سے حقیقتاً خریدنا چاہیں تو آپ کو آٹھ ہزار وان کا ایک ڈالر ملتا ہے۔ یعنی آپ کی عمر بھر کی جمع پونجی کے بدلے حکومت نے آپ کو صرف 35 ڈالر دیئے اور باقی سب مال چوبیس گھنٹوں میں ایک حکم کے ساتھ ردی ہو گیا ہے یہ ہے وہ حکومتی گارنٹی جو ہم بار بار کرپٹو کرنسی میں مانگتے ہیں۔ 1923ء میں جرمنی نے جنگ کے لیے نوٹ چھاپے جو ڈالر 6.7 جرمن مارک میں 1919 میں ملتا تھا اس کی قیمت 1923 میں 4،210،500،000،000 مارکس ہو گئی اور لوگوں نے جرمن مارک کو وال پیپرز کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔

امریکی صدر لنکن نے سول جنگ سے نمٹنے کے لئے 450 ملین ڈالرز پرنٹ کرنے کا حکم دے دیا جسے گرین بیگز کہا جاتا ہے۔



(تصویر 7: امریکی گولڈ ڈالر)

ابھی حال ہی میں انڈیا نے تین نومبر 2016ء کو کرنسی ڈی مونوٹائزیشن پہ کام کیا اور لوگوں کو تیس دنوں کا وقت دیا تمام ہزار اور پانچ سو والے نوٹ تبدیل کروانے کے لیے تاکہ نقلی نوٹوں، دہشت گردی کی فنڈنگ اور بلیک منی کو روکا جاسکے۔ تیس دنوں میں لوگوں نے 32 ہزار کروڑ تبدیل کروائے اور بہت سوں کو کروڑوں کا نقصان اٹھانا پڑا۔ وینزویلا میں جنوری 2017 کو تین ہزار بولیوار دے کر ایک ڈالر لیا جاسکتا تھا، دسمبر 2017ء میں ایک ڈالر 191,000 بولیوار میں ملتا تھا جب کہ دنیا میں سب سے زیادہ تیل اسی ملک کے پاس ہے۔

300 ملین بیرل ملک میں کوئی شخصی بینک سے چوبیس گھنٹوں میں چھ سینٹس سے زیادہ نہیں نکال سکتا اور اس کے لیے بھی چار گھنٹوں کی لائن ہے۔ معاشی ماہرین کے مطابق 2018ء میں وینیزویلا میں افراط زر کی شرح 13،000 فیصد رہے گی۔ اب اگر یہ مظلوم لوگ کرپٹو کرنسی کو استعمال کریں تو کیا آپ اسے حرام کہیں گے؟

اگر آپ کو لگتا ہے کہ کرنسی نوٹ اور ڈیجٹل کرنسی ہی اصل نقد ہے اور باقی کچھ نہیں تو آیئے ہمارے زمانے میں موجود کرنسی کی اور کچھ مثالیں دیکھتے ہیں۔

2010ء میں ہیٹی کے زلزلے کے بعد لوگوں میں راشن تقسیم کرنا کٹھن ثابت ہوا کہ ایک جم غفیر ہوتا، چاول کی بوریاں ہیلی کاپٹر سے بھی نہیں گرائی جاسکتی تھیں کہ لوگ زخمی نہ ہو جائیں تو اقوام متحدہ نے ہزاروں سال پرانی عبادت گاہوں کی طرح اسٹور میں راشن ذخیرہ کرلیا اور لوگوں کو کوپن کی شکل میں پرچیاں بانٹ دیں۔ صرف چوبیس گھنٹوں کے اندر ہی وہ پرچیاں بطور کرنسی استعمال ہونے لگیں کہ سب کو پتہ ہے کہ اس کے پیچھے کتنا راشن ملے گا۔

جیل میں عموماً نقد رقم کی جازت نہیں ہوتی تو وہاں مچھلی، سگریٹ اور موبائل کریڈٹ عام طور پر لین دین خرید وفروخت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

بچے عموماً پیسے گرادیتے ہیں امریکہ بھر کے سکولوں میں کنٹین میں ماں باپ پیسے جمع کروادیتے ہیں اور بچوں کو اس کے بدلے کھانے کے کوپن مل جاتے ہیں جسے وہ کنٹین میں بطور کرنسی استعمال کر سکتے ہیں۔

کینیا اور تنزانیہ میں ایم۔ پیسہ کے نام سے موبائل پیمنٹ سسٹم موجود ہے۔آپ موبائل کریڈٹ کو پیسے ٹرانسفر سے لے کر کچھ بھی خرید وفروخت کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

کینیا میں ساٹھ فیصد لوگ ایم پیسہ، تیس فیصد بینک اور سات فیصد اے ٹی ایم استعمال کرتے ہیں۔اب اس ایم پیسہ (M Pesa) کے پیچھے بھی کوئی حکومت نہیں۔

آپ ڈزنی ٹوکنز پر پورا ہفتہ گزار لیں اور پارک گھومتے رہیں، میرٹ ریوارڈ کے تحت ہوٹل میں قیام کرلیں، کریڈٹ کارڈز کے انعامی پوائنٹس سے پٹرول بھروالیں۔ اسکائی مائلز کے ذریعے جہاز کا ٹکٹ خرید لیں۔ پوائنٹس کو نقدی میں کیش کروالیں۔ کھاڈی پوائنٹس سے جوڑے خرید لیں۔ ایزی پیسہ سے لوڈ کروالیں یا پیسے بھجوادیں۔ آپ کو ہر ملک و معاشرے میں درجنوں ایسی مثالیں مل جائیں گی جہاں ہم آسانی اور سہولت کے لیے کسی بھی چیز کو متفقہ

طور پر کرنسی کے طور پر استعمال کر لیتے ہیں ایک ضروری چیز جو چاہیے وہ ہے لوگوں کا اعتماد اور اسے استعمال کرنے پر رضامندی۔

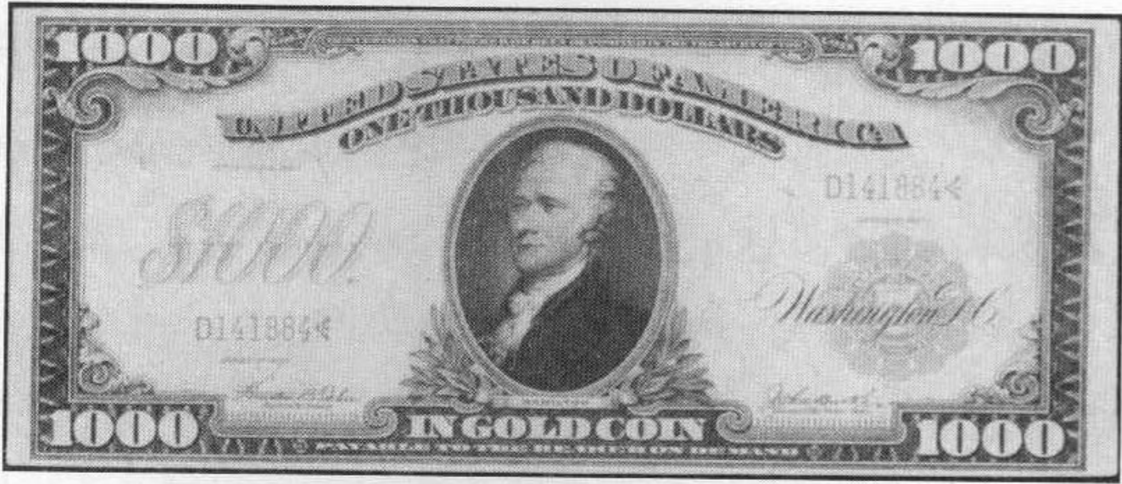
نہ حکومت نہ کوئی جنس/ پیداوار۔ شخصی کمپنی، سوسائٹی ، کسی بھی گارنٹی ،یا گارنٹی کے احساس پر کہانی چل پڑتی ہے۔

آپ کو یہ جان کر یقیناً حیرت ہوگی کہ دنیا کا پہلا الیکٹرانک ٹرانسفر 1871 میں ہوا تھا۔جی ہاں ویسٹرن یونین 1851ء میں نیو یارک اور مسی سیپی پرنٹنگ ٹیلی گراف کمپنی کے نام سے وجود میں آئی اور اس نے براعظم امریکہ میں 1861ء میں ٹیلی فون لائنیں بچھائیں۔ سی آکسی واریرز (حملہ آوروں) نے یہ تاریں جگہ جگہ سے کاٹ کر ان کے بریسلیٹ بنا لئے جس سے یہ کام رک سا گیا مگر پھر ہار پہننے والے کچھ لوگ بیمار پڑ گئے۔ تو حملہ آوروں کے طبیب نے انکشاف کیا کہ انہیں بولنے والی تاروں کے بھوت نے نقصان پہنچایا ہے اور ایک دم تاروں کے ساتھ چھیڑ خانی کے واقعات بند ہو گئے۔ دنیا کا پہلا منی ٹرانسفر ٹیلی گرام کے ذریعے 1871 میں پیش آیا۔

1950ء میں فرینک میک نمارا نام کا شخص ہوٹل میں کھانے کو گیا مگر بل دیتے وقت کچھ پیسے کم پڑ گئے اس نے فون پر اپنی بیگم کو بلایا باقی پیسوں کے ساتھ اس شرمندگی کے بعد اس نے تہیہ کر لیا کہ آج کے بعد یہ نہیں ہوگا اور یوں ڈائنرز کلب کارڈ کے نام پر دنیا کا پہلا کریڈٹ کارڈ وجود میں آیا۔

امریکہ اور برطانیہ کی آج پچاس فیصد ٹرانزیکشن پلاسٹک کارڈز کے ذریعے ہی ہوتی ہیں۔

شیفرڈ بیرن نام کے شخص نے 1967ء میں دنیا کی پہلی اے ٹی ایم مشین بنائی اور یہ آئیڈیا بارکلے بینک کو پیش کیا۔ این فیلڈ، شمالی لندن میں یہ انسٹال ہوئی۔



(تصویر8: 1000ڈالر کا گولڈنوٹ)

شروع کی اے ٹی ایم میں پلاسٹک کارڈز کی بجائے کاربن 14 سے پرنٹ کیے گئے چیکس ڈلتے تھے اور یہ ایک وقت میں صرف 10 پاؤنڈز تک دے سکتی تھی۔

1983ء میں بینک آف اسکاٹ لینڈ نے ناٹنگھم بلڈنگ سوسائٹی کے صارفین کو دنیا کی پہلی انٹرنیٹ بینکنگ سروس دی جس میں اپنے بلز جمع کرواسکتے تھے اور اس کے لئے انہیں اپنے ٹی وی اور ٹیلی فون کی مدد درکار ہوتی تھی۔

1990ء میں ویب اور صحیح معنوں میں انٹرنیٹ بینکنگ کا آغاز ہوا مگر بینک آف امریکہ کو پہلے دو ملین کسٹمرز کے لئے پورے دس سال کا انتظار کرنا پڑا جو اسے استعمال کریں۔

1997ء میں موبل آئل کارپوریشن نے (Speed Pass) کے نام سے پٹرول بھروانے کے لئے دنیا کا پہلا کونٹیکٹ لیس کارڈ متعارف کروایا۔

2005ء سے کریڈٹ کارڈز میں چپ اور پن نمبرز کا آغاز ہوا۔

2008ء میں ساتوشی ناکاموتو نے بٹ کوائن کا پیپر لکھا اور بٹ کوائن کی پہلی ٹرانزیکشن 2009ء میں ظہور پذیر ہوئی۔

2010ء میں 10,000 بٹ کوئنز دے کر پاپا جونز سے دو پیزا خریدے گئے۔ اور اس طرح دنیا Programmable Money سے متعارف ہوئی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ 1994 میں پہلی آن لائن ٹرانزیکشن میں بھی پزا ہٹ (Pizza Hut) سے پزا خریدا گیا تھا۔

2014ء میں ایپل پے کا آغاز ہوا کہ آپ بغیر کسی کارڈ یا والٹ کے اپنے فون سے چھوئے بغیر (Contact Less) پیمنٹ کر سکیں۔ آج امریکہ کے 40 فیصد سے زائد بزنس ایپل پے (Apple Pay) کو لین دین کے لئے استعمال کرتے ہیں اور جلد ہی دنیا سے کریڈٹ کارڈز ختم ہو جائیں گے۔

2015ء بٹ کوئن کی دیکھا دیکھی بلاک چین ٹیکنالوجی کو استعمال کرتے ہوئے سینکڑوں کرپٹو کرنسی مارکیٹ میں آچکی ہیں۔ کینیڈا، جاپان، آسٹریلیا، ایسٹونیا اور سنگاپور کے علاوہ دس سے زائد ممالک اسے تسلیم کر چکے ہیں۔ امریکہ میں کرپٹو کرنسی مال (Asset) میں شمار ہوتی ہے جس پر ٹیکس ہے۔ کینیڈا میں اس کی حیثیت بارٹر کی ہے۔ جاپان میں کرنسی اور لیگل ٹینڈر اور آسٹریلیا میں کرنسی کی حیثیت ہے۔ کاغذی نوٹ کی طرح جلد ہی دنیا کے باقی ممالک اسے کسی نہ کسی حیثیت میں تسلیم کرتے چلے جائیں گے۔



(تصویر 9: گولڈ ڈالر)

کچھ تاریخی حقائق:

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ عموماً پیسہ جنگیں لڑنے کے لئے وجود میں آیا۔ دس ڈالر کا نوٹ 1861ء میں اس بنیادی وجہ سے بنا تھا کہ سول وار کے خرچے برداشت کئے جا سکیں۔ اس دور میں سارا کاپر جنگوں میں لگ رہا تھا تو دنیا نے پہلی بار روپے سے کم حیثیت کے نوٹ دیکھے جنہیں ہم Frictional notes کہتے ہیں۔ 0.25،0.15،0.10،0.05،0.03 اور 0.5 کے نوٹ وجود میں آئے۔ ایک دور میں امریکی پینی (Penny) اسٹیل کی بنائی گئی کہ کاپر تو جنگوں کے لئے چاہیے تھا۔ 1955ء میں امریکہ نے کرنسی نوٹوں پر حامل ہذا کو مطالبے پر ادا کیا جائے گا کہ بدلے ہمیں خدا پر بھروسہ ہے۔ In God We Trust لکھوایا۔ ہم امریکی ڈالر کے لئے Buck کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ Buck اصل میں مذکّر ہرن کی کھال کو کہتے ہیں جو کہ ایک دور میں امریکی زراعتی علاقوں میں بالکل پیسے کی طرح ہی استعمال ہوتی تھی۔

19 ویں صدی میں ایک تہائی نوٹ جعلی تھے، آج ٹیکنالوجی کی بدولت صرف 0.01 فیصد جعلی ہیں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ سیکرٹ سروس کا قیام 1865ء میں اسی نوٹوں کی جعل سازی کو روکنے کے لئے عمل میں آیا کہ کارخانے بینکوں کے لئے نوٹ چھاپنے کی اصل مشینیں اور ڈائیز بلیک مارکیٹ میں کرایے پر دے دیتے تھے۔

دنیا روز کا ڈھائی ملین اور سال کا نو سو ملین پاونڈ سلور نکالتی ہے۔

نوٹ کی عمر:

ایک عام کاغذ کو آپ چار سو بار تہہ کر سکتے ہیں اس کے بعد وہ پھٹنا شروع ہو جائے گا۔ کرنسی نوٹ آپ آٹھ ہزار بار تہہ کر سکتے ہیں یہ 75 فیصد کاٹن اور 25 فیصد لینن کا بنا ہوتا ہے۔

ایک سکے کی اوسط عمر 25 سال ہے جب کہ نوٹ کی اس کی قدر کے حساب سے مختلف ہے ایک ڈالر کا نوٹ عموماً 5.8 سال چلتا ہے۔ پانچ ڈالر کا 5.5، دس ڈالر کا 4.5، 20 ڈالر کا 7.9، پچاس ڈالر کا 8.5 اور 100 ڈالر کی زندگی پندرہ سال ہوتی ہے۔ ایک سروے کے مطابق امریکہ کے نوے فیصد نوٹوں پر جو گردش میں ہیں کوکین کے ذرے پائے جاتے ہیں کیونکہ نقد زیادہ تر جرائم پیشہ افراد کے زیر استعمال رہتا ہے۔

(US State Beurue of Engraving and Printing) روز کے 38 ملین نوٹ چھاپتی ہے جس کی مالیت 541 ملین ڈالر ہے۔

امریکی عوام سال کے 62 ملین ڈالرز کے سکے پھینک دیتے ہیں۔ اور امریکی حکومت سالانہ چالیس ملین کے صرف Collectible سکے جاری کرتی ہے جو عام استعمال میں عموماً نہیں آتے۔

شمالی کوریا دنیا میں سب سے زیادہ جعلی ڈالر بناتا ہے اس لیے ڈالر کا ڈیزائن بار بار بدلتا رہتا ہے اور اسی لئے آپ کو منی چینجر پرانے ڈالر کا ریٹ نئے ڈالر سے کم دیتا ہے۔ ایک ڈالر کا نوٹ کوئی نقلی نہیں چھاپتا کیونکہ اس کی قدر کم ہے لہذا یہ 1929ء سے ایسا ہی چلا آرہا ہے۔

امریکی قانون کے مطابق نوٹ پر صرف اس شخص کی تصویر ہو سکتی ہے جو مر چکا ہو تو اگر آپ کو ڈالر پر اوبامہ یا ٹرمپ نظر آئیں تو وہ سو فیصد جعلی ہے۔

1775ء میں بننے والا کونٹی نینٹل ڈالر صرف پانچ سال میں اپنی قدر کھو چکا تھا اور یہی محاورہ نکلا Not worth a Continental جسے ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں "دو کوڑی کا بھی نہیں ہے"

نقدی کے خلاف جنگ(War on Cash) :

آپ نے شاید دھیان نہ دیا ہو مگر پچھلے دس ایک سالوں سے دنیا نے نقدی کیش کے خلاف اعلان جنگ کیا ہوا ہے۔ کیونکہ کیش میں کی گئی ٹرانزیکشن کو ریکارڈ کرنا یا ٹریس کرنا تقریباً ناممکن ہے ملکی سطح پر جرائم پیشہ افراد کا یہ محبوب مشغلہ ہے اس لیے ملک بڑے کرنسی نوٹ نہیں چھاپتے۔ایک ملین ڈالرز کا وزن صرف دس کلو گرام یا بائیس پاؤنڈز ہوتا ہے۔ جرائم پیشہ افراد سالانہ دو ٹریلین ڈالرز ادھر سے ادھر کرتے ہیں۔آپ کیش لیس ٹرانزیکشن کریں گے تو ہر چیز ریکارڈ ہو گی اور تھرڈ پارٹیز مثلاً بینک وغیرہ ٹرانزیکشن پر فیس بھی لے گی۔

امریکہ میں کچھ پالیسی بنانے والے ماہرین کافی عرصے سے 50 اور 100 ڈالر کے نوٹ کو ختم کرنے کی تجویز دے رہے ہیں۔

2014ء میں سنگاپور نے 10,000 کا نوٹ یکسر ختم کر دیا۔

سویڈن نے دیہی علاقوں سے اے ٹی ایم مشین تدریجاً ہٹانا شروع کر دی ہیں تاکہ لوگ زیادہ کیش استعمال نہ کریں۔

جنوبی کوریا نے 2020 تک ملک کو کیش لیس بنانے کا عہد کیا ہوا ہے۔

فرانس نے ہزار پاؤنڈ سے زیادہ کی جانے والی ٹرانزیکشن کیش میں کرنے پر پابندی لگادی ہے۔

وینزویلا نے 100 بولیوار کا نوٹ منسوخ کر دیا ہے۔

یورپ نے اس سال 2018ء سے پانچ سو پائونڈز کے نوٹ کی سرکولیشن بند کر دینی ہے۔

گریس (Greece) نے کسی بھی شہری کو پندرہ ہزار پاونڈ سے زیادہ کیش رکھنے پر پابندی لگادی ہے اور آسٹریلیا اور ناروے بھی اس مد میں کام کر رہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں جب انڈیا نے پانچ سو روپے کے نوٹ پر پابندی لگائی تو کل سرکولیشن سے 86 فیصد نوٹ خارج ہو گئے ایک شخص صرف چار ہزار روپے تک تبدیل کروا سکتا تھا کیش میں۔انڈیا میں پچاس فیصد

لوگوں کا کوئی بینک اکاونٹ نہیں ہے اس اعلان کے بعد خود کشی اور قطاروں میں دم گھٹنے سے 112 لوگوں کا انتقال ہو گیا۔

ان اقدامات کی وجہ سے صرف 2015 میں دنیا نے 426.3 ملین ٹرانزیکشن کیش لیس کیں مگر آج بھی دنیا کی 85 فیصد ٹرانزیکشن کیش نقدی پر ہی ہوتی ہے۔

پیسے کی تعریف:

اس ساری بحث کا مقصد یہ تھا کہ آپ کو انسانی تاریخ میں پیسے کا وجود اس کی اقسام شکلیں اور اہمیت کا اندازہ ہو جائے اور ایک تصور مل جائے کہ اس کی ہماری معاشرے میں کیا نوعیت اور ضرورت ہے اور پیسے کی اس تصور کو بدلنے یا اس میں اختراعات کرنے سے کیا کیا اور کس طرح تبدیلیاں واقع ہو نگی۔

آیئے اب یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم پیسہ کی کس طرح تعریف کریں گے۔

ماہرین معاشیات کے مطابق کسی بھی چیز کو پیسہ منی زر سمجھنے کے لیے اسے مندرجہ ذیل تین شرائط پورا کرنی ہوں گی۔

1۔آلہ مبادلہ(Medium of Exchange)

2۔قدر زر کا پیمانہ(Unit of Account)اور

3۔اس کے ذریعے مالیت کو محفوظ(Store of Value) کیا جاسکے۔

1۔آلہ مبادلہ(Medium of Exchange)

ان میں سب سے اہم کام جو پیسہ نے کرنا ہوتا ہے وہ ہے میڈیم آف ایکسچینج یعنی آلہ مبادلہ۔اس کے ذریعے چیزوں اور خدمات کی خرید و فروخت کی جاسکے۔ جیسے کہ ہم نے باب کے شروع

میں دیکھا کہ بارٹر سسٹم میں Double Coincidence of Wants کا مسئلہ تھا یعنی آپ نے زعفران کے بدلے مرغی لینی ہے مگر جس شخص کے پاس مرغی ہے اسے زعفران نہیں چاہیے، اسے کوئلے چاہئیں تو آپ کو ایسا شخص ڈھونڈنا ہو گا جس کے پاس کوئلے ہوں اور وہ زعفران چاہتا ہو۔ کاغذی نوٹ سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

آلہ مبادلہ کی شرط پوری کرنے پر پیسہ ایک درمیانی راستہ بن جاتا ہے جس کے ذریعے ہر شخص اپنی مرضی سے لین دین کر سکتا ہے یہ ایک متفقہ راستہ دیتا ہے تمام صارفین کے لئے۔

میڈیم آف ایکسچینج کی یہی وہ شرط یا مقصد ہے جو پیسے کو مال Asset یعنی گھر، بونڈز، کار وغیرہ سے ممتاز بناتا ہے۔

بارٹر کی بجائے پیسے کے استعمال سے معاشی ترقی ہوتی ہے، لین دین کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔ لوگوں کے کام کی صلاحیت اور نتائج میں اضافہ ہوتا ہے اور پیشوں کی تقسیم (Division of Labor) ممکن ہو پاتی ہے۔

مثال کے طور پر میں ایک پروفیسر ہوں اور مجھے بٹ کوائن پر لیکچر دینا ہے، اب بارٹر سسٹم میں مجھے کوئی ایسا کسان ڈھونڈنا ہو گا جو مجھ سے لیکچر سن کر گندم کھانے کو دے سکے۔ اب آپ خود سوچیں کہ اس میں کتنا وقت خرچ ہو گا اور ملک میں کوئی کتنے کسان ایسے ملیں گے جو بٹ کوائن پر لیکچر سننا پسند کریں گے یا تو میں بھوکا مروں گا یا بٹ کوائن چھوڑ کر خود بھی زراعت شروع کر دوں گا۔ کاغذی نوٹ یا پیسہ نے یہ مسئلہ حل کر دیا، ہر شخص اسی پیشے میں دھیان لگا سکتا ہے جو وہ بہتر کرتا ہے اور ہم سب پیسہ کو میڈیم آف ایکسچینج کے طور پر استعمال کر کے جو چاہے خرید و فروخت کر سکتے ہیں۔

کسی بھی پیسہ کے میڈیم آف ایکسچینج ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں مندرجہ ذیل سات خصوصیات پائی جائیں۔

1۔ محدود سپلائی، قلت(Scartcity):

پیسے کی قدر کے استحکام کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی سپلائی محدود ہو ورنہ وہ اپنی قدر کھودے گا۔ جیسا کہ ہم نے رومن ایمپائرز سکوں میں، چائنا کے نویں صدی عیسوی کے نوٹوں میں اور حالیہ وینزویلا کے بولیوار میں دیکھا۔

آپ کی حکومت آنکھ بند کر کے صبح وشام نوٹ چھاپتی رہے تو اس کی قدر گرتی چلی جائے گی۔
بٹ کوائن کی سپلائی بھی محدود ہے اور یہ کل صرف اکیس ملین کی تعداد میں جاری ہونگے۔

2۔ پائیدار(Durability):

پیسہ کے لئے ضروری ہے کہ اس پر ماحول وموسم کا باآسانی اثر نہ ہوتا ہو۔ جتنا زیادہ Durable ہو گا اتنا ہی اچھا ہے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ سکے کی عمر 25 سال اور 100 ڈالر کی عمر پندرہ سال تک ہوتی ہے اور آپ کرنسی نوٹ کو آٹھ ہزار بار تک فولڈ کر سکتے ہیں۔ سونا اس خوبی پر پورا اترتا ہے نہ اس کی چمک ماند پڑتی ہے اور نہ اس پر گرمی، سردی، یا بارش کا ہی کچھ اثر پڑتا ہے۔ جانوروں کی کھالیں بھی دباغت کے بعد خوب چلتی ہیں اور اس لیے ایک لمبے عرصے تک میڈیم آف ایکسچینج بنی رہیں۔ شروع شروع میں جب نمک نیا نیا دریافت ہوا تھا اس وقت نمک کی ویلیو سونے کے برابر تھی اور لوگ دس گرام سونا دے کر دس گرام نمک لے جاتے تھے۔ بعد ازاں رومن ایمپائر نے اپنی فوج کو بھی نمک میں تنخواہ دینی شروع کی۔ آرمی سولجرز کے لئے Not worth your Salt کا محاورہ آج تک رائج ہے۔ بٹ کوائن بھی Durable ہے اور ماحول کا اثر اس پر نہیں پڑتا۔

3۔ قابل تقسیم(Divisibility):

پیسہ قابل تقسیم ہونا چاہیے تا کہ چھوٹی قیمتوں کا لین دین ممکن ہو۔ سو روپے کی چیز ہو۔ پچاس کی یا 25 کی آپ آرام سے خرید سکیں اور پچاس کے دو نوٹ سو کے ایک نوٹ کے برابر ہوں

اور کسی کو اس تقسیم پر اعتراض نہ ہو۔ایک بٹ کوائن سو ملین دس کروڑ ٹکڑوں میں بٹ سکتا ہے جسے ستوشی (Satoshi) کہتے ہیں جو اس کے موجد کا نام ہے۔

4۔ نقل پذیری(Transportability /Portability):

میڈیم آف ایکسچینج کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسے باآسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاسکے۔ تھوڑی قیمت کے لئے تو سونا بھی آسان ہے مگر جیسے جیسے قیمت بڑھتی جاتی ہے۔ سونے کا انتقال مشکل ہوتا چلا جاتا ہے۔ کاغذی نوٹ منتقل کرنا آسان ہے نسبتاً مگر دنیا بھر نے دس ہزار ڈالر سے زائد رقم کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل کرنے پر کے وائی سی یا (Know Your Customer) کے قوانین اور ٹیکس لگا رکھے ہیں، بینکوں کو بھاری فیس الگ، بٹ کوائن دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک چند منٹوں میں صرف کلک کے ذریعے ٹرانسفر ہو جاتا ہے اور فیس بھی انتہائی کم۔

5۔ ممکن الثبوت(Verifiability):

آپ باآسانی نقلی اور اصلی میں تمیز کر سکیں۔ نقلی ہیرا اصل سے نقلی سونا اصلی ہے۔ سونے میں یہ کام مخصوص آلہ جات کی مدد سے ہوتا ہے اور ایک عام آدمی باآسانی دھوکا کھا سکتا ہے کاغذی کرنسی میں یہ کام ہوتا ہے مگر جیسے جیسے پرنٹنگ کی صنعت ترقی کر رہی ہے ویسے ویسے یہ کام مشکل ہوتا چلا جا رہا ہے بٹ کوائن کی نقل بنانا ریاضی کی رو سے ناممکن ہے اور اس کو Verify کرنا بھی بہت آسان ہے۔

6 ۔ قابل تبادلہ(Fungibility):

ہر ایک یونٹ دوسرے جیسا ہو اور کسی کو تبادلے پر اعتراض نہ ہو۔ ہزار کے دو نوٹ ہر جگہ یکساں حیثیت رکھتے ہیں اور ان کو کھلا کروانے کی صورت میں نوٹ کی مالیت پر اثر نہ

پڑے۔ مثلاً آپ ایک نوٹ دے کر دوسرا نوٹ باآسانی لے لیں گے۔ ایک سونے کی ڈلی دے کر اسی وزن کے ایک اور ڈلی لے لیں گے بٹ کوائن بھی بالکل اسی طرح قابل تبادلہ ہے۔

7۔ قابل قبول(Acceptability):

میڈیم آف ایکسچینج ضروری ہے کہ تمام لوگوں اداروں اور کاروبار کی اکثریت میں قابل قبول ہو۔ تاکہ کوئی بھی شخص باآسانی اس سے خرید وفروخت کر سکے۔ بٹ کوائن رفتہ رفتہ یہاں اپنی جگہ بنا رہا ہے۔

2۔ قدر زر کا پیمانہ(Unit of Account):

یونٹ آف اکاونٹ سے مراد وہ معیار ہے جس پر معاشیات اشیاء اور خدمات کو جانچا جا سکے اور انکی قیمتوں کا تعین ممکن ہو۔ مثلاہم وزن کو کلو گرام یا پاؤنڈز میں ناپتے ہیں۔ فاصلوں کو کلو میٹر یا میلوں میں بجلی کو وولٹ اور پٹرول یا دودھ کو لیٹر یا گیلن میں بالکل اسی طرح اشیائے خورد نوش اور معاشی کارگزاری کو ناپنے کا طریقہ یونٹ آفا کائونٹ ہے ہم اپنی پچھلی مثال واپس دیکھتے ہیں۔ فرض کریں کہ دنیا میں صرف تین چیزیں ہیں میرے بٹ کوائن کے لیکچرز، گندم اور ٹماٹر۔ تو ہمیں تمام ٹرانزیکشنز کے لیے صرف تین قیمتیں درکار ہوں گی۔ ایک بٹ کوائن کے لیکچر کے بدلے میں کتنے ٹماٹر یا گندم آئے گی اور گندم اور ٹماٹروں کا تبادلہ کس بنیاد پر ہوگا مثلاایک کلو گرام گندم کے بدلے ایک کلو ٹماٹر۔ مگر اگر 10 اشیاء ہو گئی تو یہ لسٹ 45 قیمتوں پر جائے گی۔

$$\frac{N(N-1)}{2}$$

$$\frac{10(10-1)}{2} = \frac{90}{2} = 45$$

اگر100 اشیا ہوئیں تو 950،4 اور ہزار اشیاء کیلئے 500،499 اگر آپ بارٹر سسٹم میں غلطی سے سوپر مارکیٹ چلے گئے تو آپ کی باقی زندگی صرف قیمتیں پڑھنے میں گزر جائے گی۔ پیسہ اس مسئلے کو حل کرتا ہے اور ہر شئے کی قیمت رائج الوقت کرنسی میں لکھ دی جاتی ہے۔ جن ملکوں میں افراط زر کی وجہ سے کرنسی کی قدر و قیمت انحطاط کا شکار ہوتی ہے وہاں قیمتیں ڈالر میں لکھی جاتی ہے۔(Unit of Account) جبکہ لین دین(Medium of Exchange) مقامی کرنسی میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ دنیا بھر کے ایئرپورٹس پر قیمتیں عموماً ڈالر میں لکھی جاتی ہیں اور جب دنیا کے امیر ترین لوگوں کی فہرست شائع ہوتی ہے تو ان کی دولت کا تخمینہ بھی ڈالرز میں ہی لگایا جاتا ہے۔

میڈیم آف ایکسچینج کے لیے ضروری نہیں کہ وہ یونٹ آف اکاؤنٹ بھی ہو مگر عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔

بٹ کوائن اپنی Volatility کی وجہ سے ایک اچھا یونٹ آف اکاؤنٹ نہیں ہے۔

3۔مالیت محفوظ کرنے کا ذریعہ(Store of Value):

پیسہ کا تیسرا ضروری مقصد یا کام اسے اسٹور آف ویلیو کا فنکشن ادا کرنا ہوتا ہے۔آپ کو آج پیسے / تنخواہ ملے تو آپ نے آج ہی نہیں خرچ کر دینی،آپ کو اس بات کا اطمینان ہوتا ہے کہ آپ اگلے ہفتے یا مہینے جا کر اس سے اندازاً کتنا اناج یا اشیائے صرف خرید سکتے ہیں۔یہ فنکشن پیسہ اور مال Asset جیسے کہ گھر، بانڈز وغیرہ میں یکساں ہے۔

زر کی کوئی بھی قسم اسٹور آف ویلیو کے لئے آئیڈیل نہیں۔آپ پیسے پلنگ کے نیچے چھپا کر رکھ دیں،وہ افراط زرInflation کی وجہ سے کم از کم ہر سال تین فیصد اپنی قوت خرید کھوتے چلے جائیں گے اور کم و بیش تیس سالوں میں اپنی آدھی سے زائد قدر کھو چکے ہونگے۔

اس کے بدلے سونا یا گھر کی ویلیو شاید بڑھ ہی جائے۔زمین، جائیداد گولڈ ہر دن کے ساتھ اپنی قدر میں بڑھتے ہیں مگر جو Liquidity فوراً خرچ کرنے کی صلاحیت آپ کو نقد دیتا ہے وہ باقی مال Asset میں ممکن نہیں۔

دنیا کا کوئی بھی زر، پیسہ، منی ان تینوں فنکشنز: میڈیم آف ایکسچینج ،اسٹور آف ویلیو اور یونٹ آف اکائونٹ میں سو فیصدی پوری نہیں اترتا اور ہر ایک قسم کے اپنے فوائد و کمزوریاں ہیں۔

یہاں ایک بات اور سمجھ لیں کہ کرنسی، مال Asset اور آمدن (Income) میں فرق ہے۔کرنسی سے مراد وہ نوٹ یا سکے ہیں جو آپ کے پاس سر دست دستیاب ہیں کوئی اگر آپ کے سر پر بندوق رکھ کے کہے کہ سارا مال دو ورنہ جان جائے گی تو آپ اس کے سامنے اپنی جیبیں خالی کردیں گے نہ کہ اس سے زر کی اقسام و حالات پر بحث کریں گے۔ مال دولت (Asset/Wealth) سے مراد آپ کا بینک میں رکھا پیسہ گھر، گاڑی، بانڈز اسٹاک، شیئرز وغیرہ ہیں۔امریکہ کرپٹو کرنسی کو Asset کا ہی درجہ دیتا ہے۔

آمدن سے مراد پیسے کا بہاو ہے کسی متعین وقت کے ساتھ مثلاً اگر آپ یہ کہیں کہ میری آمدنی دس لاکھ ہے تو میں پوچھوں گا ماہانہ، سالانہ یا دن کی۔اور ایسا کہنے سے یہ مطلب نہیں نکالا جاسکتا کہ آپ کے پاس اس وقت دس لاکھ موجود بھی ہونگے۔

پیسے کی پھر مزید بہت سے قسمیں اور اصلاحات ہیں جیسے کہ بینکوں کی اصطلاح میں ایم ون، ایم ٹو یا کموڈٹی بیسڈ منی، فیاٹ اور ڈیجٹل کیش وغیرہ مگر ہم ان تفصیلات میں گئے تو پوری کتاب پیسے کی نذر ہو جائے گی۔

پیسے کی جو تعریف ہم نے اب تک کی ہے اس سے علمائے کرام بھی اتفاق کرتے ہیں مثلا: مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب اپنی تصنیف (اسلام اور جدید معیشت و تجارت، شائع کردہ ادارہ المعارف کراچی، طبع اول (1419ھ) میں لکھتے ہیں کہ :۔

"جو چیز عرفاً آلہ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوتی ہے، اور وہ قدر زر کا پیمانہ ہو اور اس کے ذریعے مالیت کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ اسے "زر" کہتے ہیں۔"

مولانا سود سے متعلق سپریم کورٹ کے تاریخی فیصلے میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زر براہ راست انسانی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا بلکہ اسے اشیاء خورد و نوش اور خدمات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ زر کی کیفیت پیمانہ قدر، آلہ مبادلہ اور مساوی یونٹ کے کچھ نہیں ، شے انسانی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

مجموعہ الفتاوی میں شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ :۔

"دراہم اور دینار مقصود بالذات نہیں، بلکہ باہمی معاملات کاایک ذریعہ ہیں، اسی وجہ سے اثمان شمار ہو جائے، بر خلاف دیگر اشیا کے کہ یہ خود مقصود بالذات ہیں"

علامہ ابن القیم لکھتے ہیں کہ :۔

زر مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ سامان کے حصول کاذریعہ ہے اگر زر سامان میں شمار ہو جاتے، تو لوگوں کے معاملات فاسد ہو جائیں گے۔

ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی طرح پیسہ۔ زر کا بھی معاشرے کے ساتھ ارتقاء ہوتا ہے۔ پچھلے سو سالوں میں بلا مبالغہ ہزاروں کرنسیز بنیں مگر اس وقت صرف 193 باقی رہ پائیں۔ نئے دور، نئے چیلنجز اور ان سے نمٹنے کے لئے زر کے نئے نئے بھیس، یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ Survival of Fittest کی طرح جو پیسہ معاشرے کے ساتھ چل پایا وہ رہ جائے گا باقی ختم۔

ایک بات معلوم ہے کہ اگر آج ڈارون زندہ ہوتا تو وہ اپنی کتاب Origin of Species کا معاوضہ برٹش اسٹرلنگ کی بجائے بٹ کوائن میں ہی لینا پسند کرتا۔